معارف الحدیث

یعنی

احادیثِ نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب

اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد ہفتم

کتاب المعاشرۃ والمعاملات

حصہ دوم

تالیف

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

دار الاشاعت

اُردو بازار ایم اے جناح روڈ

کراچی پاکستان 021-2213768

طباعت کمپیوٹر ایڈیشن : مارچ ۲۰۰۱ء
باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
پریس : احمد پرنٹنگ کارپوریشن

﴿..........ملنے کے پتے..........﴾

ادارۃ المعارف کورنگی کراچی نمبر ۱۴
ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور
ادارۃ القرآن D/437 گارڈن ایسٹ لسبیلہ کراچی
مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
کشمیر بک ڈپو، چنیوٹ بازار فیصل آباد
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور
مکتبہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ، راجہ بازار راولپنڈی
الفیصل تاجران کتب اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

پیش لفظ

از مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِعِزَّتِہٖ وَجَلَالِہٖ تَتِمُّ الصّٰلِحٰت

اس عاجز بندے پر اس کے رب کریم کا ایک عظیم احسان اس سلسلۂ "معارف الحدیث" کی تالیف کی توفیق ہے۔ اس کی چھ جلدیں پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ چھٹی جلد کی حیثیت **کتاب المعاشرۃ والمعاملات** کے حصہ اول کی تھی اور یہ ساتویں جلد اس کا حصہ دوم ہے۔ پہلے ارادہ ان دونوں کو ایک ہی جلد میں شائع کرنے کا تھا' پھر ضخامت بہت زیادہ ہو جانے کی وجہ سے دو حصوں میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جلد ششم میں صرف معاشرت سے متعلق سوا تین سو احادیث کی تشریح کی گئی تھی۔

پیشِ نظر جلد ہفتم میں نکاح و طلاق اور ان کے متعلقات' معاشی معاملات اور تمدنی زندگی کے تمام بنیادی شعبوں اور روز مرہ پیش آنے والے مسائل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے تقریباً دو سو ارشادات یا معمولات تشریح کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور پڑھنے اور سننے والوں کو اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔

چھٹی جلد کے شروع میں جو دیباچہ ہے وہی اس ساتویں جلد کا بھی دیباچہ ہے۔ بہتر ہے کہ اس کے مطالعہ سے پہلے اس پر نظر ڈال لی جائے۔ البتہ اتنی بات کی طرف یہاں توجہ دلانا ہے کہ انسانی زندگی کے تمام چھوٹے بڑے مسائل کا ایسا عادلانہ اور فطری حل پیش کرنے والا وہ نبی امی تھا جس نے نہ کسی قدیم آسمانی کتاب کا مطالعہ کیا اور نہ متمدن قوموں کے قوانین اور دساتیر کا نہ کسی استاذ کے سامنے کبھی زانوئے تلمذ تہہ کیا بلکہ وہ حروف اور الفاظ کو پہچان بھی نہ سکتا تھا۔ کیا یہ آپ ﷺ کے نبی برحق ہونے کی ایک روشن دلیل اور آپ ﷺ کا ایک جیتا جاگتا معجزہ نہیں ہے؟ ان تعلیمات سے یہ حقیقت بھی خوب روشن ہو جاتی ہے کہ اسلام انسانی زندگی اور فطرت کے تقاضوں کو کچل کر نہیں' بلکہ ان کے فطری حل کے ذریعہ اس کی روحانی ترقی کا ضامن و داعی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام خصوصاً ہم کو اس نعمت کی قدر دانی کی توفیق نصیب فرمائے۔

اپنے باتوفیق ناظرین سے
آخری گزارش یا وصیت

اس سے پہلی جلدوں کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے کہ

حدیث نبوی ﷺ کا مطالعہ خالص "علمی سیر" کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے اور عمل کے لئے ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔ نیز مطالعہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی محبت و عظمت کو دل میں ضرور بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا جائے کہ گویا حضور ﷺ کی مجلسِ اقدس میں حاضر ہیں اور آپ ﷺ فرما رہے ہیں۔ اور ہم سن رہے ہیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو ان انوار و برکات اور ان ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہوگا جو عہدِ نبوی ﷺ کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے براہِ راست روحانی اور ایمانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔

اس عاجز نے اپنے اساتذہ اور بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ ازراہِ ادب حدیث نبوی ﷺ کے درس و مطالعہ کے لئے وضو کا اہتمام فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ راقم السطور اور اس کتاب کے ناظرین کو بھی یہ اَدب نصیب فرمائے۔

آخری بات اللہ کی حمد اور اس کا شکر ہے اور اس کے اتمام کے لئے اس سے حسنِ توفیق کی استدعا اور کوتاہیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا۔

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۱۷؍ شوال ۱۴۰۲ھ ۸؍ اگست ۱۹۸۲ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

نکاح وازدواج اور اس کے متعلقات

نکاح اور شادی کا طریقہ

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عربوں میں مرد و عورت کے باہمی تعلق اور اولاد سے متعلق کئی طریقے اور ضابطے رائج تھے' ان میں سے بعض نہایت گندے اور شرمناک تھے' ایک طریقہ اصولی طور پر صحیح اور شریفانہ تھا' رسول اللہ ﷺ نے اس کی اصلاح فرما کر بس اسی کو باقی رکھا اور دوسرے سارے طریقے یکسر ختم فرما دیئے اور ان کو سنگین گناہ اور جرم قرار دیا۔

آپ ﷺ نے اپنے طرزِ عمل اور ارشادات سے نکاح و شادی کا جو عمومی طریقہ مقرر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ مرد کی طرف سے عورت کے اولیاء اور سرپرستوں کو پیام دیا جائے اور رشتہ کی طلب واستدعا کی جائے' وہ اگر رشتہ کو مناسب اور قرین مصلحت سمجھیں تو عورت کے عاقلہ بالغہ اور صاحبِ رائے ہونے کی صورت میں اس کی مرضی معلوم کر کے اور کم سن ہونے کی صورت میں اپنی مخلصانہ اور خیر خواہانہ صوابدید کے مطابق رشتہ منظور کر لیں اور نکاح کر دیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہی طریقہ فطرت و حکمت کے عین مطابق ہے۔

نکاح و شادی کی اصل ذمہ داریاں چونکہ منکوحہ عورت پر عائد ہوں گی اور وہی ساری عمر کے لئے ان کی پابند ہو گی اس لئے اس کی رائے اور رضامندی لینا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے' اور اس کے نفس کا اصل مختار خود اسی کو قرار دیا گیا ہے۔ ولی اور سرپرست کو حق نہیں ہے کہ اس کی مرضی کے خلاف کسی سے اس کا نکاح کر دے۔ اسی کے ساتھ عورت کے شرف نسوانیت کی رعایت سے ہدایت فرمائی گئی کہ معاملہ اولیاء اور سرپرستوں ہی کے ذریعہ طے ہو اور وہی عقد و نکاح کرنے والے ہوں۔ یہ بات عورت کے مقامِ شرف کے خلاف ہے کہ کسی کی بیوی بننے کا

معاملہ وہ خود براہِ راست طے کرے اور خود سامنے آکر اپنے کو کسی کے نکاح میں دے۔ علاوہ ازیں چونکہ کسی لڑکی کے نکاح کے کچھ اثرات اس کے خاندان پر بھی پڑتے ہیں اس وجہ سے بھی اولیاء (خاندانی بزرگوں) کو کسی درجہ میں دخیل قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر سارا معاملہ عورت ہی کے ہاتھ میں دے دیا جائے اور اولیاء بے تعلق رہیں تو اس کا بہت زیادہ امکان ہے کہ بے چاری عورت دھوکا کھا جائے اور کسی کے دامِ فریب میں آکر خود اپنے حق میں غلط فیصلہ کر لے' ان سب وجوہ کی بناء پر ضروری قرار دیا گیا ہے کہ (خاص استثنائی صورتوں کے علاوہ) نکاح و شادی اولیاء ہی کے ذریعہ ہو۔

نکاح و شادی کے سلسلہ میں ایک رہنمائی یہ بھی فرمائی گئی ہے کہ جس عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو اگر دیکھی بھالی بالکل نہ ہو تو اگر ہو سکے تو پیام دینے سے پہلے ایک نظر دیکھ لیا جائے تاکہ بعد میں کوئی خدشہ پیدا نہ ہو۔ یہ مقصد ایک درجہ میں قابلِ اعتماد عورتوں کے دیکھنے سے بھی پورا ہو سکتا ہے۔

ایک ہدایت یہ بھی فرمائی گئی کہ اگر کسی عورت سے نکاح کے لئے کسی دوسرے مرد کی طرف سے پیام دیا جا چکا ہے تو جب تک اس کے لئے انکار نہ ہو جائے اور بات ٹوٹ نہ جائے اس کے لئے پیام نہ دیا جائے۔ اس کی حکمت ظاہر ہے۔

نکاح کے لئے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ خفیہ نہ ہو' کچھ لوگوں کی موجودگی میں اعلانیہ ہو جو اس کے شاہد اور گواہ ہوں' بلکہ بہتر بتایا گیا ہے کہ مسجد میں ہو' اسی طرح نکاح کے موقعہ پر خطبہ بھی مسنون ہے۔

مرد کی طرف سے عورت کے لئے مہر کا نذرانہ بھی ضروری قرار دیا گیا۔

ان سب اُمور اور نکاح کے دوسرے متعلقات سے متعلق احادیث ذیل میں پڑھیے!

مرد عورت کے جوڑ و ملاپ اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد کے بارے میں زمانۂ جاہلیت کے طریقے اور ضابطے:

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النِّكَاحَ فِى الْجَاهِلِيَّةِ كَانَ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَنْحَاءٍ فَنِكَاحٌ مِنْهَا نِكَاحُ النَّاسِ الْيَوْمَ يَخْطِبُ الرَّجُلُ اِلَى الرَّجُلِ وَلِيَّتَهٗ اَوْ اِبْنَتَهٗ فَيُصْدِقُهَا ثُمَّ يَنْكِحُهَا وَنِكَاحٌ اٰخَرُ كَانَ الرَّجُلُ يَقُوْلُ لِاِمْرَاَتِهٖ اِذَا طَهُرَتْ مِنْ طَمْثِهَا اَرْسِلِىْ اِلٰى فُلَانٍ فَاسْتَبْضِعِىْ مِنْهُ وَيَعْتَزِلُهَا زَوْجُهَا وَلَا يَمَسُّهَا اَبَدًا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ حَمْلُهَا مِنْ ذٰالِكَ

الرَّجُلِ الَّذِیْ تَسْتَبْضِعُ مِنْهُ فَإِذَا تَبَیَّنَ حَمْلُهَا اَصَابَهَا زَوْجُهَا اِذَا اَحَبَّ وَاِنَّمَا یَفْعَلُ ذَالِكَ رَغْبَةً فِیْ نَجَابَةِ الْوَلَدِ فَكَانَ هٰذَا النِّكَاحُ نِكَاحَ الْاِسْتِبْضَاعِ وَنِكَاحٌ اٰخَرُ یَجْتَمِعُ الرَّهْطُ مَادُوْنَ الْعَشَرَةِ فَیَدْخُلُوْنَ عَلَى الْمَرْاَةِ كُلُّهُمْ یُصِیْبُهَا فَإِذَا حَمَلَتْ وَوَضَعَتْ وَمَرَّ عَلَیْهَا لَیَالٍ بَعْدَ اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا اَرْسَلَتْ اِلَیْهِمْ فَلَمْ یَسْتَطِعْ رَجُلٌ اَنْ یَمْتَنِعَ حَتّٰى یَجْتَمِعُوْا عِنْدَهَا تَقُوْلُ لَهُمْ قَدْ عَرَفْتُمُ الَّذِیْ كَانَ مِنْ اَمْرِكُمْ وَقَدْ وَلَدْتُ فَهُوَ ابْنُكَ یَافُلَانُ تُسَمِّیْ مَنْ اَحَبَّتْ بِاسْمِهٖ فَیُلْحَقُ بِهٖ وَلَدُهَا وَلَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یَمْتَنِعَ مِنْهُ الرَّجُلُ وَالنِّكَاحُ الرَّابِعُ یَجْتَمِعُ النَّاسُ الْكَثِیْرُ فَیَدْخُلُوْنَ عَلَى الْمَرْاَةِ لَا تَمْتَنِعُ مِمَّنْ جَاءَ هَا وَهُنَّ الْبَغَایَا كُنَّ یَنْصِبْنَ عَلٰى اَبْوَابِهِنَّ رَایَاتٍ تَكُوْنُ عَلَمًا فَمَنْ اَرَادَهُنَّ دَخَلَ عَلَیْهِنَّ فَإِذَا حَمَلَتْ اِحْدَاهُنَّ وَوَضَعَتْ حَمْلَهَا جُمِعُوْا لَهَا وَدَعَوْا لَهُمُ الْقَافَةَ ثُمَّ اَلْحَقُوْا وَلَدَهَا بِالَّذِیْ یَرَوْنَ فَالْتَاطَ بِهٖ وَدُعِیَ ابْنَهٗ لَایَمْتَنِعُ مِنْ ذَالِكَ...... فَلَمَّا بُعِثَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ هَدَمَ نِكَاحَ الْجَاهِلِیَّةِ كُلَّهٗ اِلَّا نِكَاحَ النَّاسِ الْیَوْمَ. (رواہ البخاری)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے (انہوں نے بیان فرمایا) کہ زمانہ جاہلیت میں نکاح (یعنی مرد و عورت کے جوڑ ملاپ اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد سے متعلق) چار طریقے رائج تھے۔

ان میں سے ایک طریقہ تو وہ تھا جو (اصولی طور پر) آج بھی رواج میں ہے کہ ایک آدمی کی طرف سے دوسرے آدمی کو اس کی بیٹی یا اس کی زیر ولایت لڑکی کے لئے نکاح کا پیام دیا جاتا ہے۔ پھر وہ مناسب مہر مقرر کر کے اس لڑکی کا نکاح اس آدمی سے کر دیتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ کسی آدمی کی بیوی جب حیض سے پاک ہوتی (اس وقت عورت میں حاملہ ہونے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے) تو وہ (کسی بڑی شان والے آدمی کے بارے میں) خود اپنی بیوی سے کہہ دیتا کہ تو اس آدمی کو بلا کر اس سے نیوگ کرلے (یعنی اس سے تعلق قائم کرلے، اور اس کی صحبت سے حمل حاصل ہونے کی کوشش کر) اور پھر وہ شوہر اپنی بیوی سے خود اس وقت تک الگ رہتا جب تک کہ اس دوسرے آدمی سے حمل قرار پاتا، پھر جب اس کے حمل کے آثار ظاہر ہو جاتے تو اس کے بعد یہ شوہر حسب خواہش اپنی بیوی سے صحبت کرتا، اور یہ سب کچھ اس غرض سے کرتا کہ لڑکا نجیب (بڑی شان والا) پیدا ہو، اور اس طریقہ کو "نکاح استبضاع" کہا جاتا تھا [1]

---

[1] یہ شرمناک طریقہ زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے بعض پست قبیلوں میں رائج تھا۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور ایک اور (تیسرا) طریقہ یہ تھا کہ چند آدمیوں کی ٹولی (روایت میں "رھط" کا لفظ ہے جو دس سے کم کے لئے بولا جاتا ہے) ایک عورت کے پاس پہنچتی اور ان میں سے ہر ایک اس سے صحبت کرتا (اور یہ سب باہمی رضامندی سے ہوتا) پھر اگر وہ عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ ہو جاتا تو چند روز کے بعد وہ ان سب آدمیوں کو بلواتی (اور دستور کے مطابق) کسی کے لئے بھی اس کی گنجائش نہ ہوتی کہ وہ نہ آئے۔ اس لئے سب ہی پہنچ جاتے تو وہ کہتی کہ جو کچھ ہوا تھا وہ تمہیں معلوم ہے اور (اس کے نتیجہ میں) میرے یہ بچہ پیدا ہوا اور پھر وہ ان میں سے جس کو چاہتی نامزد کر کے کہتی اے فلانے یہ تیرا لڑکا ہے۔ پھر وہ لڑکا اسی کا مان لیا جاتا تھا اور وہ آدمی انکار نہیں کر سکتا تھا۔ (یہ تیسرا طریقہ تھا)

اور چوتھا طریقہ یہ تھا کہ ایک عورت سے بہت سے لوگوں کا جنسی تعلق ہوتا۔ کسی کے لئے کوئی روک ٹوک نہ ہوتی' یہ پیشہ ور لونڈیاں ہوتی تھیں' ان کے گھروں کے دروازے پر بطور علامت کے ایک نشان نصب ہوتا تھا جو کوئی بھی چاہتا ان کے پاس پہنچ جاتا' تو جب ان میں سے کسی کو حمل رہ جاتا اور پھر بچہ پیدا ہوتا تو اس سے تعلق رکھنے والے یہ سب لوگ جمع ہو جاتے اور قیافہ شناسی کے ماہرین بلائے جاتے' پھر وہ (اپنی قیافہ شناسی سے) اس بچہ کو جس کے نطفہ سے سمجھتے اسی کا لڑکا قرار دے دیتے اور بس وہ اس سے چپک جاتا۔ اور اسی کا بیٹا کہا جاتا' وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ (ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زمانہ جاہلیت کے یہ سب طریقے بیان کرنے کے بعد فرمایا) پھر جب حضرت محمد ﷺ اللہ کی طرف سے دینِ حق کے ساتھ مبعوث ہوئے تو آپ ﷺ نے جاہلیت کے ان سب (شرمناک اور حیاء سوز) مروج طریقوں کو یکسر مٹا دیا۔ اور نکاح و شادی کا بس وہی (پاکیزہ) طریقہ رہ گیا جو اب جاری ہے (صحیح بخاری)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب کیسی گندگیوں اور تاریکیوں میں تھے' اور پھر آپ ﷺ کی ہدایت

(......گذشتہ سے پیوستہ) اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک پست سطح کا آدمی چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا مثلاً بہادر اور شہسوار ہو یا شکیل و جمیل اور قد آور ہو تو وہ کسی ایسے آدمی کے متعلق جو ان صفات میں ممتاز ہوتا اپنی بیوی سے کہتا کہ تو اس آدمی سے تعلق قائم کر لے تاکہ اس کا حمل قرار پا جائے اور پھر بیٹا انہی صفات کا اور اسی طرح کا پیدا ہو' اور خود اس وقت بیوی سے الگ رہتا جب تک کہ اس دوسرے آدمی سے حمل قرار پاتا...... عربی میں اس کو "استبضاع" کہا جاتا ہے' ہم نے اس کا ترجمہ "نیوگ" کیا ہے۔ ہندو معاشرہ میں نیوگ کا رواج رہا ہے۔ اور اس کو جائز اور درست سمجھا جاتا ہے، اس کی صورت قریب قریب یہی ہوتی ہے۔ اسکی تفصیلات کیلئے بانی آریہ سماج سوامی دیانند سرسوتی کی "ستیارتھ پرکاش" کا مطالعہ کیا جائے۔

اور تعلیم و تربیت نے ان کو آسمانِ ہدایت کا چاند اور سورج بنا دیا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ نَبِيِّكَ رَسُوْلِ الرَّحْمَةِ مُخْرِجِ النَّاسِ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِكَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ.

جس عورت سے نکاح کرنیکا کا ارادہ ہو اس کو ایک نظر دیکھ لینا گناہ نہیں' بلکہ بہتر ہے:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَلْقَى اللّٰهُ فِىْ قَلْبِ امْرِءٍ خِطْبَةَ اِمْرَاَةٍ فَلَا بَاسَ اَنْ يَنْظُرَ اِلَيْهَا. (رواه احمد وابن ماجه)

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی آدمی کے دل میں کسی عورت کے لئے نکاح کا پیام دینے کا خیال ڈالے تو اس کے واسطے گناہ نہیں ہے کہ ایک نظر اس کو دیکھ لے۔ (مسند احمد' سنن ابن ماجہ)

عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ خَطَبْتُ اِمْرَاَةً فَقَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ نَظَرْتَ اِلَيْهَا؟ قُلْتُ لَا' قَالَ فَانْظُرْ اِلَيْهَا فَاِنَّهُ اَحْرٰى اَنْ يُّؤْدَمَ بَيْنَكُمَا.
(رواه احمد والترمذى والنسائى وابن ماجه)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک خاتون کے لئے نکاح کا پیام دیا (یا پیام دینے کا ارادہ کیا) تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے اس کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا تو نہیں ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ایک نظر دیکھ لو' یہ اس مقصد کے لئے زیادہ مفید ہو گا کہ تم دونوں میں الفت و محبت اور خوشگواری رہے۔
(مسند احمد' جامع ترمذی' سنن نسائی' ابن ماجہ)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کا مقصد یہی ہے کہ نکاح و شادی کا مسئلہ بہت اہم ہے ساری عمر کے لئے ایک فیصلہ اور معاہدہ ہے' یہ مناسب نہیں کہ یہ معاملہ ناواقفی و بے خبری کے ساتھ اندھیرے میں ہو' بلکہ واقفیت اور بصیرت کے ساتھ ہونا چاہئے۔ قابلِ اعتماد لوگوں اور خاص کر عورتوں کے ذریعہ بھی صحیح معلومات حاصل ہو سکتے ہیں' جو بھی ذریعہ اختیار کیا جائے اس کا بہر حال لحاظ رکھا جائے کہ عورت کو یا اس کے گھر والوں کو گرانی اور ناگواری نہ ہو' بلکہ اچھا ہے کہ ان کو خبر بھی نہ ہو' سنن ابی داؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان مروی ہے کہ میں نے ایک عورت کے لئے نکاح کا پیام دینے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت کے مطابق

میں چھپ چھپ کر اس کو دیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس میں کامیاب ہو گیا پھر میں نے اس سے نکاح کر لیا۔

پیام پر دوسرا پیام نہ دیا جائے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَخْطِبُ الرَّجُلُ عَلٰى خِطْبَةِ اَخِیْهِ حَتّٰى یَنْكِحَ اَوْ یَتْرُكَ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہ کرے کہ اپنے دوسرے بھائی کے پیامِ نکاح کے مقابلہ میں اپنا پیام دے' تا آنکہ وہ نکاح کر لے یا چھوڑ دے اور بات ختم ہو جائے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کے لئے اپنا پیام دے دیا ہے تو جب تک ادھر کا معاملہ ختم نہ ہو جائے کسی دوسرے آدمی کے لئے درست نہیں کہ وہ اپنا پیام وہیں کے لئے دے' ظاہر ہے کہ یہ بات پہلے پیام دینے والے آدمی کے لئے ایذاء اور ناگواری کا باعث ہو گی اور ایسی باتوں سے فتنے پیدا ہو سکتے ہیں۔

نکاح کے معاملے میں عورت کی مرضی اور ولی کا مقام:

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلثَّیِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِیِّهَا وَالْبِكْرُ یَسْتَاْذِنُهَا اَبُوْهَا فِیْ نَفْسِهَا وَاِذْنُهَا صُمَاتُهَا. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شوہر دیدہ عورت کا اپنے نفس کے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ حق اور اختیار ہے اور باکرہ (کنواری) کے باپ کو بھی چاہئے کہ اس کے نکاح کے بارے میں اس کی اجازت حاصل کرے اور اس کی خاموشی بھی اجازت ہے۔ (صحیح مسلم)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْكَحُ الْاَیِّمُ حَتّٰى تُسْتَاْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَاْذَنَ' قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَیْفَ اِذْنُهَا؟ قَالَ اَنْ تَسْكُتَ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شوہر دیدہ عورت کا اس وقت تک نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے دریافت نہ کر لیا جائے اور باکرہ

(کنواری) لڑکی کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ صحابہ نے عرض کیا اس کی اجازت کا طریق کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (دریافت کرنے پر) اس کا خاموش ہو جانا (اس کی اجازت سمجھا جائے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) ایم کے اصل معنی ہیں "بے شوہر والی عورت" لیکن اس حدیث میں اس سے مراد ایسی عورت ہے جو شادی اور شوہر کے ساتھ رہنے کے بعد بے شوہر ہو گئی ہو خواہ شوہر کا انتقال ہو گیا ہو یا اس نے طلاق دے دی ہو۔ (اسی کو حضرت عبداللہ بن عباس کی اوپر والی حدیث میں "ثیب" کہا گیا ہے) ایسی عورت کے بارے میں ان دونوں حدیثوں میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اس کی رائے اور مرضی معلوم کئے بغیر اس کا نکاح نہ کیا جائے لیعنی یہ ضروری ہے کہ وہ زبان سے یا واضح اشارہ سے اپنی رضامندی ظاہر کرے اس حدیث کے لفظ "حتی تستامر" کا یہی مطلب ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں "بکر" سے مراد وہ کنواری لڑکی ہے جو عاقل بالغ تو ہو لیکن شوہر دیدہ نہ ہو۔ اس کے بارے میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اس کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے لیکن ایسی لڑکیوں کو حیاو شرم کی وجہ سے چونکہ زبان یا اشارہ سے اجازت دینا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے دریافت کرنے اور اجازت مانگنے پر ان کی خاموشی کو بھی اجازت قرار دے دیا گیا ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ کسی عاقل بالغ عورت کا نکاح خواہ وہ شوہر دیدہ ہو یا کنواری ہو اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر اس کا ولی نہیں کر سکتا' ہاں اگر کوئی لڑکی صغیر السن ہے ابھی نکاح شادی کے بارے میں سوچنے سمجھنے کے لائق نہیں ہے اور کئی بہت اچھا رشتہ سامنے ہے اور خود لڑکی کی مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کا نکاح کر دیا جائے تو ولی (جو خیر خواہی کا ذمہ دار ہے) اپنی خیر خواہانہ صوابدید کے مطابق نکاح کر سکتا ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کا نکاح حضور ﷺ سے صرف اپنی صوابدید کے مطابق اس وقت کر دیا تھا جب کہ ان کی عمر ۶۔۷ سال کی تھی۔ [1]

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ.
(رواہ احمد والترمذی وابو داؤد و ابن ماجہ والدارمی)

---

[1] اس نکاح میں فریقین کے لئے بڑی مصلحتیں اور برکتیں تھیں، حضرت ابو بکر صدیق حضور پر سب سے پہلے ایمان لائے اور ایسی قربانیاں دیں اور صحبت و رفاقت کا ایسا حق ادا کیا کہ وفات سے کچھ پہلے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے ساتھ جس نے جو احسان کیا تھا یا جو خدمت کی تھی میں (بقیہ اگلے صفحے پر......)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ولی کے بدون نکاح نہیں۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

(تشریح) حدیث کا مقصد و مدعا بظاہر یہ ہے کہ نکاح ولی ہی کے ذریعہ ہونا چاہیئے۔ عورت کے لئے یہ ٹھیک نہیں ہے کہ وہ خود اپنا نکاح کرے۔ یہ اس کے شرف اور مقامِ حیا کے بھی خلاف ہے اور اس سے خرابیاں پیدا ہونے کا زیادہ اندیشہ ہے۔ ہاں جیسا کہ مندرجہ بالا حدیثوں سے معلوم ہو چکا اپنے بارے میں اصل اختیار عورت ہی کا ہے۔ ولی اس کی مرضی اور رائے کے خلاف اس کا نکاح نہیں کر سکتا۔

ضروری ہے کہ نکاح چوری چھپے نہ ہو اعلانیہ ہو:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوْهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوْا عَلَيْهِ بِالدُّفُوْفِ. (رواه الترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نکاح بالاعلان کیا کرو اور مسجدوں میں کیا کرو اور دف بجو لیا کرو۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت کا مقصد بظاہر یہی ہے کہ نکاح چوری چھپے نہ ہو اس میں بڑے مفاسد کا خطرہ ہے لہٰذا بالاعلان کیا جائے۔ اور اس کے لئے آسان اور بہتر یہ ہے کہ مسجد میں کیا جائے، مسجد کی برکت بھی حاصل ہو گی اور لوگوں کو جمع کرنے جوڑنے کی زحمت بھی نہ ہو گی، گواہوں شاہدوں کی شرط بھی آپ سے آپ پوری ہو جائے گی۔

حضور ﷺ کے زمانے میں نکاح و شادی کی تقریب کے موقع پر دف بجانے کا رواج تھا اور بلاشبہ اس تقریب کا تقاضا ہے کہ بالکل خشک نہ ہو، کچھ تفریح کا بھی سامان ہو اس لئے آپ ﷺ نے دَف بجانے کی اجازت بلکہ ایک گونہ ترغیب دی۔

(گذشتہ سے پیوستہ) نے سب کا بدلہ دے دیا۔ لیکن ابو بکر کی خدمات کا بدلہ نہیں دے سکا...... تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ کی کم عمری کے باوجود اُن سے نکاح اس لئے بھی کر لیا تھا کہ ابو بکر سے قرابت کا بھی خاص الخاص تعلق ہو جائے اور ان کا اور اُن کے گھر والوں کا جی خوش ہو۔ اس نکاح میں جو اور مصلحتیں اور برکتیں تھیں اُن پر مستقل کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

نکاح کے لئے شہادت ضروری:

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَغَايَا اللَّتِيْ يَنْكِحْنَ اَنْفُسَهُنَّ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورتیں اپنا نکاح شاہد گواہ کے بغیر (چوری چھپے) کرلیں وہ حرام کار ہیں۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث کو امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے جس طرح کہ یہاں نقل کیا گیا ہے اور موقوفاً بھی روایت کیا ہے یعنی یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں بلکہ خود حضرت ابن عباس کا قول اور فتویٰ ہے۔ اور سند کے لحاظ سے اسی کو ترجیح دی ہے۔ لیکن اگر یہ حضرت ابن عباس کا قول بھی ہو تو ظاہر ہے کہ وہ حضور ﷺ سے سنے بغیر ایسی بات اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے فقہا اور محدثین کے مسلمہ اصول پر یہ مرفوع ہی کے حکم میں ہے۔ اسی وجہ سے اُمت کے قریب قریب تمام آئمہ مجتہدین اس پر متفق ہیں کہ شہادت نکاح کے شرائط میں سے ہے جس کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔

خطبۂ نکاح:

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَةَ الْحَاجَةِ اَنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ يَّهْدِى اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ يَا اَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللهَ الَّذِىْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًاo يَاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوااللهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَo يَا اَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًاo (فی شرح السنة عن ابن مسعود فی خطبة الحاجة من النكاح وغيره)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو (نکاح وغیرہ) ہر اہم ضرورت (اور مواقع) کے لئے یہ خطبہ تعلیم فرمایا۔ "الحمدللّٰه نستعينه و نستغفره ...... فقد فاز فوزا عظيما۔" (ساری حمد وستائش اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے، ہم (اپنی سب ضرورتوں اور تمام مقاصد میں) اسی سے مدد کے طالب اور خواستگار ہیں، اور اسی

سے (اپنے قصوروں اور گناہوں کی) معافی اور مغفرت کی استدعا کرتے ہیں۔ اور اپنے نفس کی شرارتوں سے اسی اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ جس کو ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا' اور جس کے لئے اللہ ہدایت سے محرومی کا فیصلہ فرمادے اسے کوئی ہدایت یاب نہیں کر سکتا' اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور پرستش کے لائق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول برحق ہیں۔ اے ایمان والو! اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم باہم سوال کرتے ہو اور قرابتوں کی حق تلفی سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم اس کے فرمانبردار ہو۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہمیشہ سیدھی بات بولو' وہ تمہارے اعمال درست فرمادے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا' اور جو بندہ حکموں پر چلے اللہ اور اس کے رسول کے، تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔ (سنن ابی داؤد' مسند احمد' جامع ترمذی' سنن نسائی' سنن ابن ماجہ)

(تشریح) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا روایت کردہ یہ خطبہ جیسا کہ روایت میں تصریح ہے صرف نکاح کے موقع کے ہی لئے نہیں ہے' بلکہ عمومی قسم کا ہے' اس کا مضمون بہت ہی جامع ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ الہامی ہے' اس کی بعض روایات میں ایک دو لفظوں کا اضافہ بھی ہے۔ یہاں جو الفاظ نقل کیے گئے ہیں وہ سنن ابی داؤد کی روایت کے ہیں' ابن ماجہ کی روایت میں شروع میں "الحمدللہ" کے بعد "نَحْمَدُهٗ" کا اضافہ ہے۔ اسی طرح "وَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا" کے بعد "وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا" کا بھی اضافہ ہے۔ آخر میں قرآن پاک کی تین آیتیں ہیں۔ ایک سورۂ نساء کی پہلی آیت کا آخری حصہ ہے۔[۱] "وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ٥" اسکے بعد دوسری آیت سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۰۲ ہے "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ." الاية. اسکے بعد تیسری آیت سورۂ احزاب کی آیت ۷۰ ہے۔ "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا." الاية.

کسی بھی اہم موقع پر ایک بندہ کو اللہ کے حضور میں اپنی بندگی اور نیاز مندی و وفاداری کے اظہار کے لئے بارگاہِ خداوندی میں جو کچھ عرض کرنا چاہیئے وہ سب اس خطبہ کے ابتدائی حصہ میں

---

[۱] خطبہ میں یہاں حدیث کے کسی راوی سے سہو ہو گیا ہے' اور سورۂ نساء کی یہ آیت اس طرح روایت کی گئی ہے "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا" حالانکہ یہاں شروع میں "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا" نہیں ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ اس موقع پر صرف یہ ہیں...... "وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ۔ الآیۃ

آ گیا ہے' اور آخر میں جو تین آیتیں ہیں وہ بندہ کی ہدایت کے لئے بالکل کافی ہیں۔ یہ خطبہ عقدِ نکاح سے پہلے پڑھا جاتا ہے بلکہ اسی مقدس خطبہ سے نکاح کی کارروائی کا آغاز ہوتا ہے۔ افسوس یہ خطبہ پڑھنا بھی اب ایک رسم بن کر رہ گیا ہے' ورنہ اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کی نصیحت اور یاد دہانی کی نکاح کے فریقین کو اور سب ہی کو ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس خطبہ ہی پر عمل نصیب فرمادے تو دنیا اور آخرت میں اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی کے لئے کافی ہے۔

مہر کی اہمیت اور اُس کا لزوم

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے جو نکاح کے سلسلہ میں سب سے پہلے صحیح بخاری کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے معلوم ہو چکا کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں نکاح کا جو شریفانہ طریقہ عربوں میں رائج تھا اس میں بھی مہر مقرر کیا جاتا تھا یعنی نکاح کرنے والے مرد کے لئے ضروری ہوتا تھا کہ وہ بیوی کو ایک معین رقم ادا کرنا اپنے ذمہ لے۔ اسلام میں اس طریقہ کو برقرار رکھا گیا۔ یہ مہر اس بات کی علامت ہے کہ کسی عورت سے نکاح کرنے والا مرد اس کا طالب اور خواستگار ہے اور وہ اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق اس کو مہر کا نذرانہ پیش کرتا ہے یا اس کی ادائیگی اپنے ذمہ لیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مہر کی کوئی خاص مقدار معین نہیں فرمائی کیونکہ نکاح کرنے والوں کے حالات اور ان کی وسعت و استطاعت مختلف ہو سکتی ہے۔ البتہ خود آنحضرت ﷺ نے اپنی صاحبزادیوں کا مہر پانچ سو درہم (یا اس کے قریب) مقرر فرمایا اور آپ ﷺ کی اکثر ازواجِ مطہرات کا مہر بھی یہی تھا۔ لیکن حضور ﷺ کے زمانہ میں اور آپ ﷺ کے سامنے اس سے بہت کم اور بہت زیادہ بھی مہر باندھے جاتے تھے۔ حضور ﷺ کی صاحبزادیوں اور ازواجِ مطہرات والے مہر کی پابندی ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی۔

مہر کے بارے میں قرآن و حدیث کی ہدایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ محض فرضی اور رسمی بات اور زبانی جمع خرچ کے قسم کی چیز نہیں ہے بلکہ شوہر کے ذمہ اس کی ادائیگی لازم ہے، اِلّا یہ کہ بیوی خود ہی وصول کرنا نہ چاہے۔ قرآن پاک میں صراحۃً ارشاد ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً. یعنی اپنی بیویوں کے مہر خوش دلی سے ان کو ادا کرو (النساء ع:۱)...... اور رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں جو تاکید و تشدید فرمائی ہے وہ آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگی۔

عَنْ مَيْمُوْنِ الْكُرْدِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ اِمْرَاَةً عَلٰى مَا قَلَّ مِنَ الْمَهْرِ اَوْكَثُرَ لَيْسَ فِيْ نَفْسِهٖ اَنْ يُّؤَدِّيَ اِلَيْهَا حَقَّهَا لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَهُوَ زَانٍ. (رواه الطبرانى فى الاوسط والصغير)

میمون کردی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی عورت سے کم یا زیادہ مہر پر نکاح کیا اور اس کے دل میں اس حق مہر کی ادائیگی کا ارادہ ہی نہیں ہے تو قیامت میں اللہ کے حضور میں زناکار کی حیثیت سے پیش ہوگا۔ (معجم اوسط و معجم صغیر للطبرانی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو شخص اداء مہر کے بارے میں شروع ہی سے بدنیت ہے اُس نے مہر کا اقرار تو کر لیا ہے لیکن دل میں یہ ہے کہ یہ بس زبانی بات ہے 'دینا دلانا کچھ نہیں ہے تو اس کے نکاح میں اتنا بڑا نقص اور وہ اس درجہ کا گنہگار ہے کہ قیامت میں وہ زنا کا مجرم قرار دیا جائے گا۔ قریب قریب اسی مضمون کی اس کے علاوہ بھی متعدد حدیثیں مختلف کتب حدیث کے حوالہ سے کنز العمال میں نقل کی گئی ہیں۔ ان حدیثوں میں ایسے لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید اور آگاہی ہے جو مہر کو صرف زبانی اور رسمی بات سمجھتے ہوئے اتنی بڑی رقم کے مہر مقرر کر لیتے ہیں جن کی ادائیگی کا کوئی امکان ہی نہیں ہوتا۔

عَنْ اَبِیْ سَلِمَةَ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ کَمْ کَانَ صِدَاقُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ کَانَ صِدَاقُهُ لِاَزْوَاجِهِ ثِنْتَیْ عَشْرَةَ اُوْقِیَةً وَنَشٌّ. (رواہ مسلم)

ابو سلمہ سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ خود رسول اللہ ﷺ کا مہر کتنا تھا؟ تو انہوں نے بتلایا کہ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کے لئے جو مہر مقرر فرمایا تھا وہ ساڑھے بارہ اوقیہ تھا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا تھا اُس حساب سے ساڑھے بارہ اوقیہ کے پورے پانچ سو درہم ہوتے تھے۔ یہ حساب اور تشریح خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اس زمانے میں پانچ سو درہم کی رقم اچھی خاصی ہوتی تھی اُس سے کم و بیش چالیس پچاس بکریاں خریدی جاسکتی تھیں۔

عَنْ اُمِّ حَبِیْبَةَ اَنَّهَا کَانَتْ تَحْتَ عُبَیْدِاللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ فَمَاتَ بِاَرْضِ الْحَبَشَةِ فَزَوَّجَهَا النَّجَاشِیُّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَمْهَرَهَا عَنْهُ اَرْبَعَةَ اٰلَافِ دِرْهَمٍ وَبَعَثَ بِهَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَعَ شُرَحْبِیْلَ بْنِ حَسَنَةَ. (رواہ ابو داؤد والنسائی)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ وہ عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں (اور اپنے شوہر کے ساتھ انہوں نے مکہ سے ملک حبشہ کو ہجرت کی تھی'

وہیں حبشہ میں) ان کے شوہر عبیداللہ بن جحش کا انتقال ہو گیا تو حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا اور حضور ﷺ کی طرف سے چار ہزار درہم مہر باندھ کے خود ہی ان کو ادا کر دیا اور شرجیل بن حسنہ صحابی کے ساتھ ان کو حضور ﷺ کے پاس بھیج دیا۔
(سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) یہ ام حبیبہ ابو سفیان کی بیٹی تھیں جو فتح مکہ تک کفار مکہ کے لیڈر اور حضور ﷺ کے سخت ترین دشمن رہے، پھر ہجرت کے آٹھویں سال فتح مکہ کے موقع پر ان کو قبول اسلام کی توفیق ہوئی، لیکن ان کی بیٹی بہت پہلے دعوت اسلام کے ابتدائی دور ہی میں اسلام قبول کر چکی تھیں، ان کے شوہر عبیداللہ بن جحش نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا، پھر جب مکہ میں اسلام قبول کرنے والوں کو حد سے زیادہ ستایا گیا تو حضور ﷺ کی اجازت اور ایماء سے بہت سے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ام حبیبہ اور ان کے شوہر نے بھی ہجرت کی۔ پھر اللہ کی شان کچھ مدت کے بعد شوہر عبیداللہ بن جحش نے اسلام چھوڑ کر نصرانی مذہب اختیار کر لیا جو عام اہل حبشہ کا مذہب تھا اور شراب وغیرہ کثرت سے پینے لگے، پھر اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا لیکن ام حبیبہ استقامت کے ساتھ برابر اسلام پر قائم رہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو جب عبیداللہ بن جحش کے انتقال کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ام حبیبہ کی قدردانی و دلداری اور دوسرے اہم مصالح کے پیش نظر ان کو اپنے نکاح میں لے لینے کا ارادہ کیا اور شاہ حبشہ نجاشی کے پاس قاصد بھیجا کہ ام حبیبہ کو میری طرف سے نکاح کا پیام دیا جائے۔ نجاشی نے ابرھہ نامی اپنی باندی کے ذریعہ ام حبیبہ کو پیام دیا۔ انہوں نے بہت ہی مسرت اور ممنونیت کے ساتھ اس کو منظور کر لیا اور مہاجر مسلمانوں میں سے اپنے ایک قریبی عزیز خالد بن سعید بن العاصی کو اپنا وکیل بنا دیا اور جیسا کہ ابو داؤد اور نسائی کی اس زیر تشریح روایت میں ہے نجاشی نے حبشہ ہی میں ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا اور خود ہی آپ ﷺ کی طرف سے مہر بھی نقد ادا کر دیا۔ ابو داؤد کی اس روایت میں مہر کی مقدار چار ہزار درہم بتائی گئی ہے لیکن مستدرک حاکم وغیرہ کی روایت میں چار ہزار دینار ذکر کی گئی ہے اور اصحاب نقل و روایت نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ بہر حال ازواج مطہرات میں سے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر دوسری امہات المومنین کی بہ نسبت بہت زیادہ تھا، لیکن یہ حضور ﷺ نے نہیں بلکہ نجاشی نے مقرر کیا تھا جو ایک بادشاہ تھا اور یہی اس کی شان اور حیثیت کے لائق تھا اور جیسا کہ حدیث میں ہے اس نے خود ہی ادا بھی کیا، روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کے چھٹے یا ساتویں سال کا ہے۔

نجاشی' حبشہ کے بادشاہوں کا لقب تھا' اس نجاشی کا اصل نام اصحمہ تھا وہ مہاجرین کے ذریعے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی دعوت و تعلیم سے واقف ہوا تھا۔ اور اس نے اسلام قبول کر لیا تھا ۸ھ یا ۹ھ میں اس کا انتقال ہوا' رسول اللہ ﷺ کو وحی سے اس کی اطلاع ہوئی' آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو اس کی اطلاع دی اور مدینہ طیبہ میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ

نکاح کے بعد مبارک باد اور دعا:

دنیا کی مختلف قوموں اور گروہوں میں شادی اور نکاح کے موقع پر مبارک بادی کے مختلف طریقے رائج ہیں' رسول اللہ ﷺ نے اس موقع کے لئے اپنی تعلیم اور عمل سے یہ طریقہ مقرر فرمایا کہ دونوں کے لئے اللہ سے برکت کی دعا کی جائے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو بھرپور خیر اور بھلائی نصیب فرمائے اور اپنے کرم کے بادل برسائے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَفَّأَ الْاِنْسَانَ اِذَا تَزَوَّجَ قَالَ بَارَكَ اللهُ لَكَ وَ بَارَكَ عَلَيْكُمَا وَ جَمَعَ بَيْنَكُمَا فِىْ خَيْرٍ.

(رواه احمد والترمذى و ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی ایسے آدمی کو جس نے شادی کی ہوتی مبارک باد دیتے تو یوں فرماتے' اللہ تم کو مبارک کرے تم دونوں پر برکت نازل فرمائے اور خیر اور بھلائی میں تم دونوں کو ہمیشہ متفق اور مجتمع رکھے۔

(مسند احمد' جامع ترمذی' سنن ابی داؤد' سنن ابن ماجہ)

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ اِذَا تَزَوَّجَ اَحَدُكُمْ اِمْرَاَةً اَوِشْتَرٰى خَادِمًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ. (رواه ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے یا خدمت کرنے والا غلام یا باندی خریدے تو یہ دعا کرے۔ اے اللہ! اس میں جو خیر اور بھلائی ہے اور تو نے اس کی فطرت میں جو خیر اور بھلائی رکھی ہے میں تجھ سے اسکا سائل ہوں وہ مجھے نصیب فرما۔ اور اسکے شر سے اور اسکی فطرت کے شر سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں تو اس سے میری حفاظت فرما۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) شادی اور نکاح انسان کی نفسانی شہوت کی تسکین کا ذریعہ ہے' لیکن رسول اللہ ﷺ نے یہ دعائیں تعلیم فرما کر اس کو بھی قربِ الٰہی کا وسیلہ اور ایک نورانی عمل بنا دیا۔ (یہ دونوں دعائیں اسی سلسلۂ معارف الحدیث کی "کتاب الدعوات" میں بھی گزر چکی ہیں)

شادی جتنی ہلکی پھلکی اور آسان ہو اتنی ہی بابرکت ہے:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً اَيْسَرُهٗ مُؤْنَةً. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ نکاح بہت بابرکت ہے جس کا بار کم سے کم پڑے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) ظاہر ہے کہ اس حدیث کا مقصد صرف ایک حقیقت بیان کر دینا نہیں ہے' بلکہ اس میں اُمت کو ہدایت اور رہنمائی دی گئی ہے کہ شادیاں ہلکی پھلکی اور کم خرچ ہوا کریں' اور بشارت سنائی گئی ہے کہ اگر ہم ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری شادیوں اور اس کے نتیجوں میں بڑی برکتیں ہوں گی۔ آج ہم جن پریشانیوں میں مبتلا ہیں اور خاص کر خانگی زندگی میں جو الجھنیں ہیں ان کا بہت بڑا سبب یہی ہے کہ نکاح و شادی کے بارے میں حضور ﷺ کی ان ہدایات سے انحراف کر کے ہم آسمانی برکات اور خداوندی عنایات سے محروم ہو گئے ہیں۔

فاطمی جہیز:

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ جَهَّزَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ فِيْ خَمِيْلٍ وَّ قِرْبَةٍ وَّ وِسَادَةٍ حَشْوُهَا اِذْخِرٌ. (رواه النسائى)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو جہیز کے طور پر یہ چیزیں دی تھیں' ایک پلودار چادر' ایک مشکیزہ' ایک تکیہ جس میں اذخر گھاس بھری ہوئی تھی۔ (سنن نسائی)

(تشریح) ہمارے ملک کے اکثر اہلِ علم اس حدیث کا مطلب یہی سمجھتے اور بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ چیزیں (چادر، مشکیزہ، تکیہ) اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے موقع پر "جہیز" کے طور پر دی تھیں۔ لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں عرب میں نکاح شادی کے موقع پر لڑکی کو "جہیز" کے طور پر کچھ سامان دینے کا رواج بلکہ تصور بھی

نہیں تھا اور "جہیز" کا لفظ بھی استعمال نہیں ہوتا تھا۔ اس زمانہ کی شادیوں کے سلسلے میں کہیں اس کا ذکر نہیں آتا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضور ﷺ کی دوسری صاحبزادیوں کے نکاح کے سلسلہ میں بھی کہیں کسی قسم کے "جہیز" کا ذکر نہیں آیا' حدیث کے لفظ "جہز" کے معنی اصطلاحی جہیز دینے کے نہیں بلکہ ضرورت کا انتظام اور بندوبست کرنے کے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے حضور ﷺ نے ان چیزوں کا انتظام حضرت علی کے سرپرست ہونے کی حیثیت سے انہی کی طرف سے اور انہی کے پیسوں سے کیا تھا کیونکہ یہ ضروری چیزیں ان کے گھر میں نہیں تھیں۔ روایات سے اس کی پوری تفصیل معلوم ہو جاتی ہے۔ بہرحال یہ اصطلاحی جہیز نہیں تھا۔

شادی کے بعد ولیمہ:

اپنی حسب خواہش کسی عورت سے نکاح ہو جانا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت اور دلی خوشی اور مسرت کی بات ہے اور اس کا حق ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر اور اپنی دلی مسرت و شادمانی کا اظہار ہو' ولیمہ اس کی عملی شکل ہے۔ اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ اس کے ذریعہ شادی کرنے والے مرد اور اس کے گھرانے کی طرف سے خوبصورتی کے ساتھ اس کا اعلان و اظہار ہو جاتا ہے کہ شادی کے اس رشتہ سے ہم کو اطمینان اور خوشی ہے اور ہم اس کو اللہ تعالیٰ کی قابل شکر نعمت سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز منکوحہ عورت اور اس کے گھر والوں کے لئے بڑی خوشی اور اطمینان کا باعث ہوگی اور اس سے باہمی تعلق و مودت میں اضافہ ہوگا۔ رسول اللہ نے اپنے ارشادات اور عمل دونوں سے اس کی رہنمائی فرمائی۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى عَلٰى عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَثَرَ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَاهٰذَا؟ قَالَ تَزَوَّجْتُ امْرَاَةً عَلٰى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبدالرحمن بن عوف پر (یعنی ان کے کپڑوں پر یا جسم پر) زردی کا کچھ اثر دیکھا تو ان سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے ایک عورت سے شادی کی ہے کھجور کی گٹھلی کے وزن کے برابر سونے پر (یعنی اس کا مہر اتنا مقرر کیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تمہیں مبارک کرے' ولیمہ کی دعوت کرو اگرچہ پوری ایک بکری کر ڈالو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضور ﷺ کے ارشاد "اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ" کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ دل کھول کے ولیمہ کرو، چاہو تو اس ولیمہ کے لئے ایک بکری مستقل ذبح کر ڈالو۔ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب اور رفقاء کی تطییب خاطر کے لئے کبھی ایسی بے تکلفی اور خوش طبعی کی باتیں بھی فرمایا کرتے تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی اسی قبیل سے تھا۔

ایک بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت نے صحابہ کرام کو ایسا بنا دیا تھا کہ وہ اپنی شادی نکاح کی تقریبات میں بھی حضور ﷺ کو شرکت کی زحمت نہیں دیتے تھے بلکہ اطلاع کرنا بھی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف جو خواص اصحاب اور عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں انہوں نے خود اپنی شادی کی اور حضور ﷺ کو خبر بھی نہیں ہوئی۔

حدیث میں عبدالرحمٰن بن عوف پر زردی کے اثر کا جو ذکر ہے، اس کی حقیقت یہ سمجھنی چاہیئے کہ نئی دلہنیں زعفران وغیرہ سے رنگے ہوئے کپڑے پہنتی تھیں اس کا اثر مرد کے کپڑوں یا جسم پر بھی آجاتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کا اثر عبدالرحمٰن بن عوف پر محسوس کیا تھا۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا اَوْلَمَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَحَدٍ مِنْ نِسَائِهٖ مَا اَوْلَمَ عَلٰى زَيْنَبَ اَوْلَمَ بِشَاةٍ. (رواه البخارى و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی بیوی کے نکاح پر ایسا ولیمہ نہیں کیا جیسا کہ زینب بنت جحش کے نکاح کے موقع پر کیا۔ پوری ایک بکری پر ولیمہ کیا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اور سب بیویوں کے نکاح پر آپ ﷺ نے جو ولیمہ کی دعوت کی وہ اس سے مختصر اور ہلکے پیمانہ پر کی تھی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں صفیہ بنت شیبہ کی روایت سے یہ حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ نے بعض بیویوں کے نکاح پر جو ولیمہ کی دعوت کی تو صرف دو سیر جو کام میں آئے اور اسی صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ بیان مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت صفیہ کو اپنے نکاح میں لیا اور لوگوں کو ولیمہ کی دعوت دی تو دستر خوان پر گوشت روٹی کچھ نہیں تھا، کچھ کھجوریں تھیں اور کچھ پنیر اور مکھن تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولیمہ کے لئے باقاعدہ کھانے کی دعوت بھی ضروری نہیں، کھانے پینے کی جو بھی

مناسب اور مرغوب چیز میسر ہو رکھ دی جائے۔ لیکن بد قسمتی کی انتہا ہے کہ ہم مسلمانوں نے جہیز کی طرح ولیمہ کو بھی ایک مصیبت بنالیا۔

ولیمہ کی دعوت قبول کرنی چاہیئے:

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْوَلِيْمَةِ فَلْيَاتِهَا. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کسی کو ولیمہ کی دعوت دی جائے تو اس کو چاہیئے کہ دعوت قبول کرے اور آئے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(تشریح) ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ حکم دیا تھا اس وقت ولیمے صحیح قسم کے ہی ہوتے تھے اور ایسے ولیمے جب بھی اور جہاں بھی ہوں ان کے لئے یہی حکم ہے۔ ایسی مخلصانہ دعوتیں بابرکت ہیں لیکن جن ولیموں میں کھلا اسراف اور نمائش اور تفاخر ہو یا دوسری قسم کی منکرات ہوں ان کے لئے ہرگز یہ حکم نہیں ہے۔ بلکہ ایسے لوگوں کے ہاں کھانے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

کیسے لوگوں کا کھانا نہ کھایا جائے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِيَيْنِ اَنْ يُّؤْكَلَ. (رواه ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے باہم مقابلہ کرنے والوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابی داود)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنی شان اونچی دکھانے کے لئے شاندار دعوتیں کریں ان کے کھانے میں شرکت کرنے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُدْعٰى لَهَا الْاَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ وَمَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللهَ وَرَسُوْلَهُ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس ولیمہ کا کھانا برا کھانا ہے جس میں صرف امیروں کو بلایا جائے اور حاجتمندوں غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اور

جس نے دعوت کو (بلاوجہ شرعی) قبول نہ کیا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف کیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے پہلے جز کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ جب کوئی ولیمہ کرے تو غریبوں حاجت مندوں کو نظر انداز نہ کرے ان کو ضرور دعوت دے جس ولیمہ میں ان کو نہ بلایا جائے صرف امیروں اور بڑے لوگوں کو مدعو کیا جائے اس کا کھانا اس لائق نہیں ہے کہ کھایا جائے۔ ظاہر ہے کہ ولیمہ کے علاوہ دوسری قسم کی دعوتوں کا حکم بھی یہی ہے۔ حدیث کے دوسرے جز کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ اگر کوئی شرعی مانع یا مجبوری نہ ہو تو مسلمان بھائی کی دعوت کو قبول کرنا چاہیئے۔ اس سے دلوں میں جوڑ پیدا ہوتا ہے اور قبول نہ کرنے سے دلوں میں دوری اور بدگمانیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اس لئے بلاوجہ دعوت کا قبول نہ کرنا اللہ و رسول کی مرضی اور حکم کے خلاف ہے۔

مباشرت سے متعلق ہدایات اور احکام

دعا:

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّاْتِيَ اَهْلَهٗ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا فَاِنَّهٗ اِنْ يُّقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِيْ ذَالِكَ لَمْ يَضُرُّهٗ شَيْطَانٌ اَبَدًا۔

(رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی بیوی کے پاس جاتے وقت اللہ کے حضور میں یہ عرض کرے۔ "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔" (بسم اللہ! اے اللہ تو شیطان کے شر سے ہم کو بچا اور ہم کو جو اولاد دے اس کو بھی بچا) تو اگر اس مباشرت کے نتیجہ میں ان کے لئے بچہ مقدر ہو گا تو شیطان کبھی اسکا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور وہ ہمیشہ شر شیطان سے محفوظ رہے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) یہ حدیث معارف الحدیث "کتاب الدعوات" میں بھی ذکر کی جا چکی ہے اور وہاں تشریح میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی "اشعۃ اللمعات" کے حوالہ سے ان کا یہ عارفانہ نکتہ بھی نقل کیا جا چکا ہے کہ اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر مباشرت کے وقت اللہ تعالیٰ

سے اس طرح کی دعا نہ کی اور خدا سے غافل رہ کر جانوروں کی طرح شہوتِ نفس کا تقاضا پورا کر لیا تو ایسی مباشرت سے جو اولاد پیدا ہو گی وہ شیطان کے شر سے محفوظ نہیں رہے گی۔ اس کے آگے شیخ نے فرمایا ہے کہ "اس زمانہ میں پیدا ہونے والی نسل کے احوال، اخلاق، عادات جو عام طور سے خراب و برباد ہیں اس کی خاص بنیاد یہی ہے۔" اللہ تعالیٰ ہمیں حضور ﷺ کی ان ہدایات کی روشنی میں اور ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

مباشرت ایک راز ہے اس کا افشا بدترین گناہ:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَاللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الرَّجُلُ يُفْضِىْ اِلَى امْرَاَتِهٖ وَتُفْضِىْ اِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا. (رواہ مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے ہاں وہ آدمی بدترین درجہ میں ہو گا جو بیوی سے ہم بستری کے بعد اس کا راز فاش کرے۔ (صحیح مسلم)

خلافِ وضعِ فطری عمل پر خدا کی لعنت ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلْعُوْنٌ مَنْ اَتَى امْرَاَةً فِىْ دُبُرِهَا. (رواہ احمد و ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بیوی کے ساتھ خلافِ وضعِ فطرت عمل کرے وہ ملعون ہے۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ اِلٰى رَجُلٍ اَتٰى رَجُلًا اَوْ اِمْرَاَةً فِى الدُّبُرِ. (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مرد یا عورت کے ساتھ خلاف وضع فطرت حرکت کرے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر بھی نہ فرمائے گا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) بے چارے حیوانات بھی جو عقل و تمیز سے محروم ہیں وہ بھی شہوت کا تقاضا خلاف فطرت طریقے سے پورا نہیں کرتے، پس جو انسان ایسا کرتے ہیں وہ حیوانوں سے بھی بدتر اور "ثُمَّ

رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ٥" کے مصداق ہیں۔ یہ بات قیامت اور آخرت ہی میں معلوم ہو گی کہ اللہ کی نظر کرم سے محروم ہو جانا کتنی بڑی بد بختی ہے۔

عزل:

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی کسی خاص وجہ سے (مثلاً بیوی کی صحت یا پہلے بچہ کی صحت کے تحفظ کے خیال سے) یہ نہیں چاہتا کہ اس وقت اس کی بیوی کو حمل قرار پائے' وہ اس غرض سے ایسا کرتا ہے کہ انزال کا وقت قریب آنے پر اپنے کو بیوی سے الگ کر لیتا ہے تاکہ مادۂ منویہ باہر خارج ہو جائے' اسی کو عزل کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی بعض لوگ ایسا کرتے تھے' اس کے بارے میں حضور ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے جواب دیا جس کا ذکر آگے حدیث میں آرہا ہے اور بظاہر جس کا مفاد یہ ہے کہ یہ ممنوع اور ناجائز تو نہیں ہے لیکن اچھا بھی نہیں ہے۔ امت کے اکثر فقہا نے اس باب کی حدیثوں سے یہی سمجھا ہے اور ان کے نزدیک مسئلہ یہی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے خاص حالات اور مصالح کی وجہ سے عزل کرے تو گنجائش ہے گناہ نہیں ہے۔ لیکن فی زماننا مغربی اقوام و ممالک کی تقلید و پیروی میں بعض ملکوں میں ملکی اور قومی پیمانے پر تحدید نسل کی مہمیں جس طرح چلائی جاری ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ انسانی نسل بڑھنے نہ پائے' اگر بڑھتی رہی تو روٹی نہ ملے گی' اس کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں ہے' یہ وہی گمراہانہ نقطۂ نظر ہے جس کی بناء پر زمانۂ جاہلیت کے بعض عرب اپنے نو مولود بچوں کو ختم کر دیتے تھے۔ قرآن پاک میں انہی سے فرمایا گیا ہے۔

لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ٥ (الانعام' ع:۱۹)	اپنے بچوں کو مفلسی اور ناداری کی وجہ سے ختم نہ کرو ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔

اس تمہید کے بعد عزل سے متعلق مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْاٰنُ يَنْزِلُ. (رواه البخاری و مسلم)

وَزَادَ مُسْلِمٌ فَبَلَغَ ذَالِكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَنْهَنَا.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ (رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں) جبکہ نزول قرآن کا سلسلہ جاری تھا ہم لوگ (یعنی بعض اصحاب) عزل کرتے تھے (اور اس کی ممانعت میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی تھی) اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ

حضور ﷺ کو اس کی اطلاع بھی ہوئی مگر آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ مَا مِنْ كُلِّ الْمَاءِ يَكُوْنُ الْوَلَدُ وَ اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ خَلْقَ شَيْءٍ لَمْ يَمْنَعْهُ شَيْءٌ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عزل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے کہ پورے مادۂ منویہ ہی سے بچہ ہو۔ (یعنی غیر ارادی طور پر خارج ہونے والے ایک قطرہ سے بھی اللہ کا حکم ہو تو حمل قرار پا سکتا ہے) اور جب کسی چیز کی تخلیق کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو جائے تو پھر کوئی چیز اس کو روک نہیں سکتی۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ عزل کیا جائے گا تو بچہ نہیں ہوگا اگر اللہ کی مشیت ہوگی تو بچہ بہر حال پیدا ہوگا۔ یہ مضمون آگے درج ہونے والی حدیث سے اور زیادہ واضح ہو جائے گا۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَجُلًا اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ لِیْ جَارِيَةً هِيَ خَادِمَتُنَا وَاَنَا اَطُوْفُ عَلَيْهَا وَاَكْرَهُ اَنْ تَحْمِلَ فَقَالَ اِعْزِلْ عَنْهَا اِنْ شِئْتَ فَاِنَّهُ سَيَاْتِيْهَا مَا قُدِّرَ لَهَا فَلَبِثَ الرَّجُلُ ثُمَّ اَتَاهُ فَقَالَ اِنَّ الْجَارِيَةَ قَدْ حَبِلَتْ فَقَالَ قَدْ اَخْبَرْتُكَ اَنَّهُ سَيَاْتِيْهَا مَا قُدِّرَ لَهَا. (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری ایک باندی ہے اور وہی ہمارے گھر کا کام کاج کرتی ہے۔ اور میں اس سے صحبت بھی کرتا ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ اس کے حمل قرار پا جائے (غالباً مطلب یہ تھا کہ کیا میں عزل کر سکتا ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا اگر چاہو تو عزل کرو۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اس باندی کے لئے جو مقدر ہو چکا ہے وہ ضرور ہوگا۔ کچھ دنوں کے بعد وہی آدمی آیا اور عرض کیا کہ اس باندی کے تو حمل قرار پا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو تم کو بتایا تھا کہ جو اس کے لئے مقدر ہو چکا ہے وہ ہو کے رہے گا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں اور اس سے پہلے والی حدیث میں آنحضرت ﷺ کا جو ارشاد نقل کیا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کے وجود کا فیصلہ ہو چکا ہے تو اس کو روکنے کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نافذ ہو کے رہے گا۔ مثلاً ایک آدمی اس مقصد سے کہ بیوی کے حمل قرار نہ پائے عزل کرتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت کسی وقت بچہ پیدا ہونے

کی ہو گی' تو ایسا ہو گا کہ وہ بروقت عزل نہ کر سکے گا اور مادۂ منویہ اندر ہی خارج ہو جائے گا یا وہ عزل کرے گا لیکن مادہ کا کوئی جز پہلے ہی خارج ہو جائے گا اور اس کو شعور بھی نہ ہو گا۔ الغرض انسانی تدبیر فیل ہو گی اور ارادۂ الٰہیہ پورا ہو کے رہے گا۔ واللہ اعلم۔

چار بیویوں تک کی اجازت:

جو لوگ انسانوں کی فطرت اور ان کے مختلف طبقات کے حالات سے واقف ہیں وہ یقین کے ساتھ جانتے ہوں گے کہ بہت سے آدمی اپنی طبیعت اور مزاج کے لحاظ سے اور بہت سے اپنے یا اپنی بیوی کے مخصوص حالات کی وجہ سے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کی ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کی اجازت نہ ہو تو اس کا بڑا خطرہ ہو گا کہ وہ حرام میں مبتلا ہو جائیں' اسی لئے آسمانی شریعتوں میں جن میں زنا اشد حرام قرار دیا گیا ہے عام طور سے اس کی اجازت رہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت میں خاص کر شادی شدہ آدمی کے لئے زنا اتنا شدید گناہ ہے کہ اس کی سزا سنگساری ہے' ایسی شریعت میں اگر کسی حال میں بھی تعدد ازواج کی اجازت نہ ہو تو انسان پر قانون کی یہ بہت زیادتی ہو گی۔ جن مغربی ملکوں اور قوموں کے قانون میں تعدد ازواج کی بالکل گنجائش نہیں ہے ان میں زنا کو قانونی جواز حاصل ہے اور عملاً بھی وہاں زنا کی جتنی کثرت ہے وہ کوئی پوشیدہ راز نہیں ہے۔ اسلامی شریعت نے زنا کو ختم کرنے کے لئے ایک طرف تو اس کے لئے سخت سے سخت سزا مقرر کی' اور دوسری طرف مناسب شرائط کے ساتھ چار بیویوں تک کی اجازت دی۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے وجوہ و اسباب ہیں جن کا یہی تقاضا ہے لیکن ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا کی بہت سی دوسری قوموں کی طرح عربوں میں بھی بیویوں کی تعداد کا کوئی تحدیدی ضابطہ نہ تھا' بعض لوگ دس دس اور اس سے بھی زیادہ بیویاں رکھتے تھے' اسلامی شریعت میں انسانوں کی مختلف حالتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کی آخری حد چار مقرر فرما دی گئی۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ غَيْلَانَ بْنِ سَلْمَةَ الثَّقَفِيَّ اَسْلَمَ وَلَهُ عَشَرُ نِسْوَةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاَسْلَمْنَ مَعَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْسِكْ اَرْبَعًا وَفَارِقْ سَائِرَهُنَّ
(رواہ احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی نے اسلام قبول

کیا اور اس وقت ان کی دس بیویاں تھیں ان سب نے بھی ان کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تو حضور ﷺ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ چار بیویاں تو رکھو اور باقیوں کو جدا کر دو۔ (مسند احمد)

بیویوں کے ساتھ برتاؤ میں عدل ومساوات:

اگر کسی شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو اس کے لئے بطور فریضہ کے لازم کیا گیا ہے کہ وہ سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے کسی کے ساتھ ادنیٰ بے انصافی نہ ہو۔ قرآن مجید میں سورۂ نساء کی جس آیت میں چار تک کی اجازت دی گئی ہے اس میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔ "وَاِنْ لَمْ تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً" یعنی اگر تم ایک سے زیادہ بیویوں سے نکاح کرنے کی صورت میں عدل پر قائم نہ رہ سکو اور ہر ایک کے ساتھ یکساں برتاؤ نہ کر سکو تو بس ایک ہی بیوی پر قناعت کرو ایک سے زیادہ نکاح مت کرو۔

بیویوں کے ساتھ عدل نہ کرنے والے شوہروں کو آخرت میں جو خاص رسوا کن عذاب ہوگا رسول اللہ ﷺ نے اس کا بھی ذکر فرمایا تاکہ لوگ اس معاملے میں ڈرتے رہیں۔ ہاں دل کے میلان پر انسان کا اختیار نہیں اس میں بندہ معذور ہے لیکن معاملہ اور برتاؤ میں فرق نہ ہونا چاہئے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَتْ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَاَتَانِ فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَشِقُّهٗ سَاقِطٌ.

(رواه الترمذی و ابو داؤد والنسائی و ابن ماجه والدارمی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کسی آدمی کی دو (یا زیادہ) بیویاں ہوں اور وہ ان کے ساتھ عدل و مساوات کا برتاؤ نہ کرے تو قیامت کے دن وہ اس حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک دھڑ گرا ہوا ہوگا۔

(جامع ترمذی سنن ابی داؤد سنن نسائی سنن ابن ماجہ مسند دارمی)

(تشریح) دنیا کے گناہوں اور آخرت کی سزاؤں میں جو مناسبت اور مشابہت ہوگی یہ بھی اس کی ایک مثال ہے وہ معاملہ اور برتاؤ میں ایک بیوی کی طرف جھکتا تھا قیامت کے دن وہ اس حال میں ہوگا کہ اس کا ایک دھڑ گرا ہوا ہوگا اور سب اس کو اس حال میں دیکھیں گے۔ اللہ کی پناہ کیسا منظر ہوگا اور کیسی رسوائی ہوگی۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُقْسِمُ بَيْنَ نِسَائِهٖ فَيَعْدِلُ وَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِیْ فِيْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ.

(رواه الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجة والدارمی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی سب بیویوں کے ہاں باری باری رہتے تھے اور پورے عدل کا برتاؤ فرماتے تھے اور اس کے ساتھ اللہ سے عرض کرتے تھے کہ اے میرے اللہ! یہ میری تقسیم ہے ان معاملات میں اور اس عملی برتاؤ میں جو میرے اختیار میں ہیں۔ پس میری سرزنش اور محاسبہ نہ فرما (دل کے) اس معاملے میں جو تیرے اختیار میں ہے میرے اختیار میں نہیں۔

(جامع ترمذی سنن ابی داؤد سنن نسائی سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جہاں تک رہن سہن اور عملی برتاؤ کا تعلق ہے اس میں رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ مثالی اور کامل عدل فرماتے تھے، جو معاملہ اور برتاؤ کسی ایک کے ساتھ تھا وہ سب کے ساتھ تھا، لیکن قلبی محبت اور دل کا میلان ایسی چیز ہے جس پر کسی بشر کا قابو نہیں، آپ ﷺ کا بھی قابو نہیں تھا اس کا حال یکساں نہیں تھا اس کے لئے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح معذرت فرماتے تھے کہ "اے اللہ! یہ چیز میرے اختیار میں نہیں ہے آپ کے اختیار میں ہے، اس پر مواخذہ اور محاسبہ نہ ہو۔ یہ آپ ﷺ کا کمالِ عبدیت تھا ورنہ قرآن مجید میں فرمادیا گیا ہے...... لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط

طلاق اور عدت

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، نکاح و شادی کا مقصد یہ ہے کہ مرد و عورت یہ رشتہ قائم کر کے اور باہم وابستہ ہو کر عفت و پاکبازی کے ساتھ مسرت و شادمانی کی زندگی گزار سکیں اور جس طرح وہ خود کسی کی اولاد ہیں اسی طرح ان سے بھی اولاد کا سلسلہ چلے اور وہ اولاد ان کے لئے دل اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان اور آخرت میں حصولِ جنت کا وسیلہ بنے۔ اور ان مقاصد کے لئے ضروری ہے کہ دونوں میں محبت اور خوشگواری کا تعلق رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے شوہروں اور بیویوں کو باہم برتاؤ کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں ان کا محور اور مرکزی نقطہ یہی ہے۔ اس کے باوجود کبھی ایسے حالات ہو جاتے ہیں کہ شوہر اور بیوی کے درمیان سخت تلخی اور ناگواری پیدا ہو جاتی ہے اور ساتھ رہنا بجائے راحت و مسرت کے مصیبت بن جاتا ہے۔ ایسے وقت کے لئے بھی رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ترغیب یہی ہے کہ حتی الوسع دونوں ناگواریوں کو جھیلیں، نباہنے اور تعلقات کو خوش گوار بنانے کی کوشش کریں۔ لیکن آخری چارۂ کار کے طور پر "طلاق" کی بھی

اجازت دی گئی ہے۔ اگر کسی حالت میں بھی طلاق اور علیحدگی کی اجازت نہ ہو تو پھر یہ تعلق اور رشتہ دونوں کیلئے عذاب بن سکتا ہے۔ پھر طلاق کے سلسلے میں تفصیلی ہدایات بھی دی گئی ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی اصولی ہدایت یہ دی گئی ہے کہ طلاق اور اس کے ذریعے شوہر وبیوی کے تعلقات کا ٹوٹنا اللہ تعالیٰ کو بے حد ناپسند ہے لہٰذا جہاں تک ممکن ہو اس سے بچنا ہی چاہیئے' نہ مرد خود یہ اقدام کرے نہ عورت اس کا مطالبہ کرے بس انتہائی مجبوری کی صورت ہی میں ایسا کیا جائے جس طرح کسی عضو میں بڑا فساد پیدا ہو جانے کی صورت میں آپریشن گوارا کیا جاتا ہے۔

پھر اس طلاق اور علیحدگی کا طریقہ یہ بتلایا گیا ہے کہ شوہر طہر کی حالت میں (یعنی جن دنوں میں عورت کی ناپاکی کی خالص حالت نہ ہو) صرف ایک رجعی طلاق دے تاکہ زمانہ عدت میں رجعت یعنی رجوع کر لینے کی گنجائش رہے پھر اگر شوہر رجوع کرنے کا فیصلہ نہ کر سکے تو عدت کی مدت گزر جانے دے اس سے رجعت کی گنجائش تو نہ رہے گی لیکن دونوں کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کا رشتہ قائم ہو سکے گا۔

بیک وقت تین طلاقیں دینے کو تو ناجائز اور سخت گناہ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ آگے درج ہونے والی بعض احادیث سے معلوم ہوگا' لیکن متفرق اوقات میں تین طلاقیں دینے کو بھی سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ اور اس کی یہ سزا اس دنیا ہی میں مقرر کی گئی ہے کہ اگر وہ شوہر اپنی اس مطلقہ بیوی سے پھر نکاح کرنا چاہے تو نہیں کر سکے گا' جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد کے نکاح میں آکر اس کی زیر صحبت نہ رہی ہو' پھر یا تو اس کے انتقال کر جانے سے بیوہ ہو گئی ہو یا اس نے بھی طلاق دے دی ہو۔

......الغرض صرف اسی صورت میں عدت گزر جانے کے بعد ان دونوں کا دوبارہ نکاح ہو سکے گا۔ یہ سخت پابندی دراصل شوہر کو تین طلاق دینے ہی کی سزا ہے۔ اس تمہید کے بعد اس سلسلے کی چند احادیث ذیل میں پڑھیے:

طلاق سخت ناپسندیدہ فعل:

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حلال اور

جائز چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ مبغوض "طلاق ہے۔" (سنن ابی داؤد)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا مُعَاذُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ شَیْئًا عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنَ الْعِتَاقِ وَلَا خَلَقَ اللّٰہُ شَیْئًا عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ اَبْغَضَ اِلَیْہِ مِنَ الطَّلَاقِ. (رواہ الدارقطنی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے معاذ! اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی جو غلاموں اور باندیوں کو آزاد کرنے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسندیدہ ہو۔ اور روئے زمین پر کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی جو طلاق دینے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو مبغوض اور ناپسندیدہ ہو۔" (سنن دار قطنی)

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا امْرَاَۃٍ سَاَلَتْ زَوْجَھَا طَلَاقًا فِیْ غَیْرِ مَا بَاْسٍ فَحَرَامٌ عَلَیْہِ رَائِحَۃُ الْجَنَّۃِ.

(رواہ احمد والترمذی و ابو داؤد و ابن ماجۃ والدارمی)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر سے کسی سخت تکلیف کے بغیر طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی عورت کو کسی مرد کے ساتھ رہنے میں واقعی زیادہ تکلیف ہو اور وہ طلاق طلب کرے تو اس کے لئے یہ وعید نہیں ہے ہاں اگر بغیر کسی بڑی تکلیف اور مجبوری کے طلاق چاہے گی تو یہ اس کے لئے سخت محرومی اور گناہ کی بات ہوگی۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُطَلِّقُوْا النِّسَاءَ اِلَّا مِنْ رِیْبَۃٍ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَا یُحِبُّ الذَّوَّاقِیْنَ وَالذَّوَّاقَاتِ.

(رواہ البزار و الطبرانی فی الکبیر والاوسط)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کو طلاق نہیں دینی چاہیئے الا یہ کہ ان کا چال چلن مشتبہ ہو۔ اللہ تعالےٰ ان مردوں اور عورتوں کو پسند نہیں کرتا جو ذائقہ چکھنے کے شوقین اور خوگر ہوں۔

(مسند بزار، معجم کبیر و معجم اوسط للطبرانی)

(تشریح) حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ وہ مرد اللہ کی محبت اور پسندیدگی سے محروم ہیں جو بیوی کو اس لئے طلاق دیں کہ اس کی جگہ دوسری بیوی لا کر نیا ذائقہ چکھیں، اسی طرح وہ

عورتیں بھی محروم ہیں جو اس غرض سے شوہروں سے طلاق لیں کہ کسی دوسرے مرد کی بیوی بن کر نیا مزا چکھیں۔

طلاق کا وقت اور طریقہ:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهُ طَلَّقَ اِمْرَاَةً لَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَذَكَرَ عُمَرُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَغَيَّظَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لِيُرَاجِعْهَا ثُمَّ يُمْسِكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيْضَ فَتَطْهُرَ فَاِنْ بَدَالَهُ اَنْ يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ اَنْ يَمَسَّهَا فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِيْ اَمَرَ اللّٰهُ اَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَآءُ.

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خود انہوں نے اپنی بیوی کو ایسی حالت میں کہ اس کی ناپاکی کے ایام جاری تھے' طلاق دے دی تو ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا' آپ ﷺ نے اس پر بہت سخت برہمی اور ناراضی کا اظہار فرمایا' اور حکم دیا کہ عبداللہ بن عمر کو چاہیئے کہ وہ اس طلاق سے رجعت کر لے اور بیوی کو اپنے پاس اپنے نکاح میں رکھے' یہاں تک کہ ناپاکی کے ایام ختم ہو کر طہر (یعنی پاکی کے ایام) آجائیں اور پھر اس طہر کی مدت ختم ہو کر دوبارہ ناپاکی کے ایام آجائیں اور اس کے بعد وہ پھر طہر کی حالت میں آجائے۔ تو اس حالت میں اگر وہ طلاق ہی دینا مناسب سمجھے تو اس طہر میں اس سے صحبت کئے بغیر اس کو طلاق دے دے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہی وہ عدت ہے جس کے بارے میں قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے (فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو حالت حیض میں طلاق دینا ناجائز اور سخت گناہ کی بات ہے' اور اگر غلطی سے کوئی ایسا کرے تو اس کو رجعت کر لینی چاہیئے۔ پھر اگر طلاق ہی دینے کی رائے قائم ہو تو اس طہر میں طلاق دینی چاہیئے جس میں صحبت کی نوبت نہ آئی ہو۔ اس کی حکمت ظاہر ہے کہ ناپاکی کی حالت میں عورت قابل رغبت نہیں ہوتی۔ طہر کی حالت میں اس کا کافی امکان ہے کہ شوہر کے دل میں رغبت پیدا ہو جائے اور طلاق دینے کا خیال ہی ختم ہو جائے اور اللہ و رسول کی زیادہ خوشی اسی میں ہے۔

اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر کو حکم دیا کہ جو طلاق انہوں نے حیض کی حالت میں دے دی تھی وہ اس سے رجعت کر لیں' اور ایک طہر گزر جانے دیں' اور اگر طلاق دینی ہی ہو تو پھر دوسرے طہر میں دیں۔ اس کا مقصد بھی بظاہر یہی تھا کہ درمیان کے طہر کی

پوری مدت میں جب دونوں ساتھ رہیں گے تو اس کا امکان ہے کہ تعلقات میں پھر خوشگواری آجائے اور طلاق کی نوبت ہی نہ آئے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو اور طلاق دینے ہی کا فیصلہ ہو تو آپ ﷺ نے اجازت دی کہ دوسرے طہر میں قبل از صحبت طلاق دی جائے۔ "قبل از صحبت" کی پابندی لگانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ جب ناپاکی کے ایام ختم ہوتے ہیں تو فطری طور پر صحبت کی رغبت ہوتی ہے اس طرح یہ پابندی بھی طلاق دینے میں رکاوٹ کا سبب بن سکتی ہے۔

اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر کو رجعت کرنے کا جو حکم دیا اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو حیض کے ایام میں طلاق دینا اگرچہ ناجائز اور سخت گناہ کی بات ہے لیکن یہ طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اگر طلاق واقع نہ ہوئی ہوتی تو رجعت کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور آنحضرت ﷺ رجعت کا حکم دینے کے بجائے یہ فرماتے کہ طلاق واقع ہی نہیں ہوئی۔

بیک وقت تین طلاقیں دینا سخت گناہ:

عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ قَالَ أُخْبِرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهُ ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ جَمِيْعًا فَقَامَ غَضْبَانَ ثُمَّ قَالَ اَ يُلْعَبُ بِكِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ حَتّٰى قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَلَا اَقْتُلُهُ.

(رواہ النسائی)

محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک شخص کے متعلق اطلاع ملی کہ اس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاق دیدی ہیں، تو آپ ﷺ سخت غصہ کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا کہ ابھی جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں کیا کتاب اللہ سے کھیلا جائے گا؟ (یعنی ایک ساتھ تین طلاقیں دینا اس کتاب اللہ کے ساتھ گستاخانہ کھیل اور مذاق ہے جس میں طلاق کا طریقہ اور قانون پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ تو کیا میری موجودگی میں اور میری زندگی ہی میں کتاب اللہ اور اس کی تعلیم سے مذاق کیا جائے گا۔ حضور ﷺ نے سخت غصہ کی حالت میں یہ بات ارشاد فرمائی) تو ایک صحابی کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اس آدمی کو قتل ہی نہ کر دوں جس نے یہ حرکت کی ہے؟

(سنن نسائی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا سخت گناہ اور قرآن مجید کے بتلائے ہوئے طریق طلاق سے انحراف اور اس کے ساتھ ایک طرح کا کھیل اور مذاق ہے، لیکن جس طرح حالت حیض میں دی ہوئی طلاق سخت گناہ اور معصیت ہونے کے باوجود پڑ جاتی ہے اور

اس کی وجہ سے عورت "مطلقہ" ہو جاتی ہے' اسی طرح ایک دفعہ کی دی ہوئی تین طلاقیں بھی جمہور آئمہ امت کے نزدیک پڑ جاتی ہیں۔

بیک وقت تین طلاقیں دینے کو "کتاب اللہ کے ساتھ کھیل اور مذاق" غالباً اسی بناء پر فرمایا گیا کہ قرآن مجید کی آیت "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ...... اِلٰی قوله تعالیٰ" فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ. " سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک سے زیادہ طلاقیں دینی ہوں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دفعہ میں نہیں' بلکہ مختلف دفعات میں درمیان میں مناسب وقفوں کے ساتھ دی جائیں' جس کی شرح اور تفصیل حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے۔

حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ جن صحابی نے اس غلط کار آدمی کو قتل کر دینے کے بارے میں حضور ﷺ سے عرض کیا تھا ان کو آپ ﷺ نے کیا جواب دیا؟ بظاہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی' اور خاموشی ہی سے یہ بتلا دیا کہ اگرچہ اس آدمی نے سخت گمراہانہ کام کیا ہے' لیکن یہ ایسا گناہ نہیں ہے جس کی سزا قتل ہو۔ واللہ اعلم

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ہمارے زمانہ میں خاص کر ہمارے ملک میں طلاق کے جو واقعات سامنے آتے ہیں ان میں قریباً نوے فیصد وہ ہوتے ہیں جن میں جاہل شوہر ایک ساتھ تین طلاقیں دیتے ہیں اور وہ بالکل نہیں جانتے کہ یہ سخت گناہ بھی ہے اور اس کے بعد دوبارہ نکاح کا مسئلہ بھی سخت مشکل ہو جاتا ہے۔

تین طلاقیں دینے کا نتیجہ اور شرعی حکم:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ اِمْرَأَةُ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِىْ فَبَتَّ طَلَاقِىْ فَتَزَوَّجْتُ بَعْدَهٗ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنِ الزَّبِيْرِ وَمَا مَعَهٗ اِلَّا مِثْلَ هُدْبَةِ الثَّوْبِ' فَقَالَ اَتُرِيْدِيْنَ اَنْ تَرْجِعِىْ اِلٰى رِفَاعَةَ؟ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَا حَتّٰى تَذُوْقِىْ عُسَيْلَتَهٗ وَيَذُوْقَ عُسَيْلَتَكِ.

(رواه البخاری و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رفاعہ قرظی کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے بتایا کہ میں رفاعہ قرظی کے نکاح میں تھی اس نے مجھے طلاق دے دی اور طلاق کا پورا کورس ختم کر دیا (یعنی اس نے مجھے تین طلاقیں دے دیں) تو اس

کے بعد میں نے عبدالرحمٰن بن الزبیر سے نکاح کر لیا لیکن وہ بالکل از کار رفتہ ہے (یعنی نکاح سے جو خاص مقصد ہوتا ہے وہ اس کے قابل نہیں ہے) رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تو کیا یہ چاہتی ہے کہ پھر رفاعہ کے نکاح میں چلی جائے؟ اس نے کہا ہاں یہی چاہتی ہوں' آپ ﷺ نے فرمایا یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ تم دونوں میں باہم صحبت کا عمل نہ ہو جائے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) شریعت کا یہ حکم قرآن مجید میں بھی بیان فرمایا گیا ہے' سورہ بقرہ میں ارشاد ہے: "فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ." (مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر نے بیوی کو دو طلاقیں دینے کے بعد تیسری طلاق بھی دے دی تو وہ عورت اس شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہو گی جب تک کسی دوسرے شوہر کے نکاح میں نہ رہی ہو۔) اس کے بعد وہ دوسرا شوہر اگر انتقال کر جائے یا طلاق دے دے تو عدت پوری کرنے کے بعد پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح ہو سکے گا۔

پھر اس حدیث سے اور اس کے علاوہ بھی متعدد حدیثوں سے اس آیت کی تفسیر تشریح یہ معلوم ہوئی کہ دوسرے شوہر کے ساتھ صرف عقد نکاح ہو جانا کافی نہیں' بلکہ وہ عمل بھی ضروری ہے جو نکاح سے خاص طور پر مقصود ہوتا ہے۔ جمہور آئمہ اُمت کا مسلک اس مسئلہ میں یہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر دوسرے شوہر کے ساتھ زناشوئی کی پابندی نہ ہو تو نکاح ثانی کی شرط بالکل لغو اور بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔

ہنسی مذاق کی طلاق بھی طلاق ہے:

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ. (رواه الترمذى و ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں دل کے ارادہ اور سنجیدگی کے ساتھ بات کرنا بھی حقیقت ہے اور ہنسی مذاق کے طور پر کہنا بھی حقیقت ہی کے حکم میں ہے۔ نکاح' طلاق' رجعت۔ (جامع ترمذی' سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے ہنسی مذاق میں نکاح کیا' یا اسی طرح ہنسی مذاق میں بیوی کو طلاق دی یا مطلقہ بیوی سے ہنسی مذاق میں رجعت کی' تو شریعت میں یہ سب چیزیں واقع اور معتبر ہوں گی۔ یعنی نکاح منعقد ہو جائے گا۔ طلاق پڑ جائے گی اور رجعت ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ

ہے کہ یہ تینوں چیزیں اسلامی شریعت میں اتنی نازک اور غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں کہ ان کے بارے میں ہنسی مذاق کی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی ہے۔ ان کے بارے میں جو کچھ آدمی کی زبان سے نکلے گا اس کو حقیقت اور سنجیدہ بات ہی سمجھا جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں یہ سمجھنا چاہیے کہ اسلامی شریعت میں یہ میدان ہی ہنسی مذاق کا نہیں ہے۔

مغلوب العقل کی طلاق:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ اِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوْهِ وَالْمَغْلُوْبِ عَلٰى عَقْلِهٖ. (رواه الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر طلاق درست و نافذ ہے سوائے اس آدمی کی طلاق کے جس کی عقل و فہم مغلوب ہو گئی ہو۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی مرض یا صدمہ کی وجہ سے آدمی کی عقل و دانش غیر متوازن اور مغلوب ہو جاتی ہے اور وہ ایسی باتیں کرنے لگتا ہے جو عقل و فہم کی سلامتی کی حالت میں نہ کرتا اور اسے اپنی باتوں کا پورا شعور بھی نہیں ہوتا۔ ایسے آدمی کو "معتوہ" اور "مغلوب العقل" کہا جائے گا۔ پس اگر ایسا شخص اس حالت میں بیوی کو طلاق دے تو وہ واقع نہ ہو گی جس طرح دیوانے اور پاگل کی طلاق واقع نہیں مانی جاتی۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تین آدمی شریعت میں "مرفوع القلم" ہیں، یعنی ان کے کسی قول و فعل کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اس پر شرعی حکم مرتب نہیں ہو گا۔ ایک وہ جو نیند کی حالت میں ہو، دوسرے نابالغ بچہ اور تیسرے مغلوب العقل آدمی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی سونے کی حالت میں بڑبڑائے اور اس میں بیوی کو طلاق دے دے تو یہ طلاق واقع نہ ہو گی اسی طرح چھوٹے بچے کی اور مغلوب العقل کی طلاق بھی واقع نہ ہو گی۔

زبردستی کی طلاق:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِیْ اِغْلَاقٍ. (رواه ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ زبردستی کی طلاق اور زبردستی کے "عتاق" کا اعتبار نہیں ہے۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) یعنی اگر کسی آدمی کو مجبور اور بالکل بے بس کر کے اس سے بیوی کو طلاق دلوائی گئی یا اس کے غلام کو آزاد کرایا گیا (یعنی اس کی زبان سے زبردستی طلاق یا عتاق کی بات کہلوائی گئی) تو شریعت میں اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ اکثر آئمہ مجتہدین کا مسلک یہی ہے کہ جو طلاق زبردستی لی جائے (جس کو اصطلاح میں "طلاقِ مکرہ" کہتے ہیں اس کا اعتبار نہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہ ہنسی مذاق کی طرح زبردستی والی طلاق کو بھی نافذ مانتے ہیں اور مصنفین احناف اس حدیث کی تاویل و توجیہ دوسری طرح کرتے ہیں...... ملحوظ رہے کہ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ منفرد نہیں ہیں۔ سلف میں سعید بن المسیبؒ، ابراہیم نخعیؒ اور سفیان ثوریؒ کا مذہب بھی شروح حدیث میں یہی نقل کیا گیا ہے۔

عدت

اسلامی شریعت میں طلاق یافتہ عورت کے لئے عدت کا قانون بھی مقرر کیا گیا ہے۔ یعنی حکم ہے کہ جس بیوی کو اس کا شوہر طلاق دے دے وہ ایک مقررہ مدت تک عدت گزارے جس کی مختصر تفصیل (جو خود قرآن مجید میں بیان فرما دی گئی ہے) یہ ہے کہ اگر اس عورت کو حیض کے ایام ہوتے ہوں تو ان کے پورے تین دور گزر جائیں اور اگر عمر کی کمی یا زیادتی کی وجہ سے ایام نہ ہوتے ہوں اور حمل بھی نہ ہو تو تین مہینے اور اگر حمل کی حالت ہو تو پھر عدت کی مدت وضع حمل تک ہے کم ہو یا زیادہ۔

عدت کے اس قانون میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ ایک اہم مصلحت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ رشتۂ نکاح کی عظمت اور تقدس کا اظہار ہوتا ہے اگر عدت کا قانون نہ ہو اور عورت کو اجازت ہو کہ شوہر کی طرف سے طلاق کے بعد وہ اپنے حسب خواہش فوراً نکاح کرلے تو یقیناً یہ بات نکاح کی عظمتِ شان کے خلاف ہوگی اور نکاح بچوں کا ایک کھیل سا ہو جائے گا۔ ایک دوسری مصلحت خاص کر طلاق رجعی کی صورت میں یہ بھی ہے کہ عدت کی اس مدت میں مرد کے لئے امکان ہوگا کہ وہ معاملہ پر اچھی طرح غور کر کے رجعت کرلے اور پھر دونوں میاں بیوی بن کے زندگی گزارنے لگیں۔ یہ ہی بات اللہ ورسول کو زیادہ پسند ہے۔ اسی لئے طلاق رجعی کی عدت میں عورت کے لئے بہتر ہے کہ وہ اپنے کو بنانے سنوارنے کا ایسا اہتمام کرے اور اپنا رویہ ایسا رکھے کہ شوہر کی طبیعت پھر اس کی طرف مائل ہو جائے اور وہ رجعت کرلے۔ اور طلاق بائنہ کی صورت میں اگرچہ رجعت کا امکان تو نہیں رہتا لیکن زمانۂ عدت میں عورت کو دوسرا نکاح نہ کرسکنے کی وجہ سے اس کی زیادہ گنجائش رہتی ہے کہ دونوں باہم راضی ہو کر دوبارہ نکاح کے ذریعے اپنا ٹوٹا ہوا رشتہ پھر سے جوڑلیں۔

ایک تیسری مصلحت یہ بھی ہے کہ عدت کے اس قانون کی وجہ سے عورت سے آئندہ پیدا ہونے والے بچہ کے نسب میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی...... بہر حال قانون عدت کی یہ چند کھلی ہوئی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے اکثر متمدن قوموں کے قوانین میں میاں بیوی کی علیحدگی کی صورت میں کسی نہ کسی شکل میں عدت کا ضابطہ ہے لیکن بعض قوموں کے قانون میں یہ عدت بہت طویل رکھی گئی ہے جو بے چاری عورت کے لئے تکلیف مالایطاق

ہے...... شریعت اسلام نے جو مدت مقرر کی ہے وہ یقیناً معتدل اور متوسط ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عدت کا قانون اس وقت نازل ہوا تھا جب ایک صحابیہ اسماء بنت یزید بن السکن انصاریہ کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی تھی۔

عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ بْنِ السَّكَنِ الْاَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ اَنَّهَا طُلِّقَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَكُنْ لِلْمُطَلَّقَةِ عِدَّةٌ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ الْعِدَّةَ لِلطَّلَاقِ فَكَانَتْ اَوَّلَ مَنْ نَزَلَ فِيْهَا الْعِدَّةُ لِلطَّلَاقِ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت اسماء بنت یزید بن السکن انصاریہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں ان کو طلاق ہو گئی تھی اور اس وقت تک مطلقہ عورت کے لئے عدت کا کوئی حکم نہیں آیا تھا' تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی وہ آیات نازل فرمائیں جن میں طلاق والی عدت کا بیان ہے' تو یہ اسماء بنت یزید وہ پہلی طلاق یافتہ خاتون ہیں جن کے بارے میں طلاق کی عدت کا حکم نازل ہوا۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث میں عدت سے متعلق جس آیت کے نازل ہونے کا ذکر کیا گیا ہے وہ بظاہر سورۂ بقرہ کی یہ آیت ہے "وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ ...... الاية." اس آیت میں ان مطلقہ عورتوں کی عدت کا حکم بیان کیا گیا ہے جن کو ایام ہوتے ہیں۔ اور جن کو صغر سنی یا کبر سنی کی وجہ سے ایام نہ ہوتے ہوں یا ان کو حمل ہو تو ان کی عدت سورۂ طلاق کی آیات میں بیان فرمائی گئی ہے۔

عدتِ وفات اور سوگ:

شریعت اسلام میں جس طرح مطلقہ عورت کے لئے عدت کا حکم ہے اسی طرح اس بیوہ عورت کے لئے بھی عدت کا حکم ہے جس کا شوہر انتقال کر گیا ہو' اس عدت کا حکم بھی قرآن مجید میں صراحۃً بیان فرمایا گیا ہے' ارشاد ہے: "وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا." (تم میں سے جن لوگوں کا انتقال ہو جائے اور وہ بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں اپنے کو روکے رکھیں کی چار مہینے دس دن) یہ عدت ان بیوہ عورتوں کے لئے ہے جو حاملہ نہ ہوں اور جو حمل کی حالت میں ہوں ان کی عدت دوسری آیت میں وضع حمل تک کی مدت قرار دی گئی ہے خواہ کم ہو یا زیادہ۔ اور اس عدت وفات میں سوگ کا بھی حکم ہے یعنی بیوہ ہو جانے والی عورت کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ عدت کی پوری مدت میں سوگ منائے جو

چیزیں زینت اور سنگھار کے لئے استعمال ہوتی ہیں وہ اس مدت میں بالکل استعمال نہ کرے' الغرض اس پوری مدت میں اس طرح رہے کہ اس کی شکل صورت و لباس و ہیئت سے اس کی بیوگی اور غمزدگی ظاہر ہو' اور دوسروں کو بھی اس کی ظاہری حالت سے محسوس ہو کہ شوہر کے انتقال کا اس کو ویسا ہی رنج و صدمہ ہے' جیسا کہ ایک شریف و پاکدامن بیوی کو ہونا چاہیے۔ لیکن یہ حکم صرف مدتِ عدت کے لئے ہے' عدت کے ایام ختم ہو جانے کے بعد اس کو ختم ہو جانا چاہئے۔ شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے کہ کوئی عورت بیوہ ہو جانے کے بعد ہمیشہ کے لئے سوگ کا طریقہ اختیار کر لے۔

شوہر کے علاوہ کسی دوسرے اپنے عزیز قریب مثلاً بھائی' باپ وغیرہ کے انتقال پر اگر کوئی عورت اپنا دلی صدمہ اور تاثر' سوگ کی شکل میں ظاہر کرے تو صرف تین دن تک کی اجازت ہے اس سے زیادہ منع ہے۔

عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ وَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلٰثِ لَيَالٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا. (رواه البخاری و مسلم)

ام المومنین حضرت ام حبیبہ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی ایمان والی عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مرنے والے عزیز قریب کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے سوائے شوہر کے' اس کے انتقال پر چار مہینے دس دن سوگ کا حکم ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عَنْ أُمِّ سَلِمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا لَاتَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَ مِنَ الثِّيَابِ وَلَا الْمُمَشَّقَةَ وَلَا الْحُلِيَّ وَلَا تَخْتَضِبُ وَلَا تَكْتَحِلُ. (رواه ابو داؤد والنسائی)

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو' وہ کسم کے رنگے ہوئے اور اسی طرح سرخ گیروے رنگے ہوئے کپڑے نہ پہنے' نہ زیورات پہنے' نہ خضاب (مہندی وغیرہ) کا استعمال کرے نہ سرمہ لگائے۔ (سنن ابی داؤد' سنن نسائی)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو خواتین زیب و زینت کے لئے کپڑے رنگتی تھیں وہ زیادہ تر یہی دو چیزیں استعمال کرتی تھیں' کسم یا خاص قسم کا لال گیرو' اس لئے آپ ﷺ نے ان کا

خاص طور سے ذکر فرمایا' ورنہ ان دو چیزوں کی کوئی خصوصیت نہیں ہے' مطلب یہ ہے کہ ایسے رنگین اور شوخ کپڑے استعمال نہ کئے جائیں جو زیب و زینت کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح زیورات اور سرمہ مہندی جیسی چیزیں بھی استعمال نہ کی جائیں جو زینت اور سنگھار کے لئے استعمال کی جاتی ہیں' زمانہ عدت میں سوگ کے ان احکام کا مقصد یہی ہے کہ شوہر کے انتقال کا بیوی کو جو رنج و صدمہ ہوا اس کا اثر دل اور باطن کی طرح ظاہر یعنی جسم اور لباس میں بھی ہو یہ جوہر نسوانیت کا فطری تقاضا ہے اور اسی میں نسوانیت کا شرف ہے۔

معارفُ الحدیث

جلد ہفتم

کتابُ المعاملات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معاشی معاملات' انسانوں کی فطری ضرورت

اس باب میں خداوندی ہدایت اور اسکے بنیادی اصول

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے یعنی انسان کی فطری ساخت ایسی ہے کہ وہ اپنی اس زندگی میں باہمی تعاون اور معاملاتی لین دین کے محتاج ہیں' ہر فرد اور طبقہ کی ضرورت دوسرے سے وابستہ ہے۔ مثلاً ایک مزدور جس کی زندگی کی ضرورتیں بہت مختصر ہیں' جو صبح سے شام تک محنت مزدوری کر کے بس گزارہ کے پیسے حاصل کرتا ہے' اسے بھی ضرورت ہے اس آدمی کی جس سے وہ اپنا اور بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے غلہ وغیرہ خرید سکے' اور غلہ پیدا کرنے والے کاشتکار کو ضرورت ہے اس مزدور کی جس سے وہ اپنی کھیتی باڑی کے کاموں میں مدد لے سکے' اسی طرح مزدور اور کاشت کار دونوں کو ضرورت ہے اس آدمی کی جو ان کے لباس کی ضرورت پوری کرنے کے لئے کپڑا تیار کرے' اور یہ اس سے بلاواسطہ یا بالواسطہ کپڑا خرید سکیں اور کپڑا تیار کرنے والے کو ضرورت ہے اس آدمی یا اس ایجنسی کی جس سے وہ سوت یا ریشم اور کپڑے کی صنعت کی دوسری ضروریات نقد یا قرض اودھار خرید سکے' پھر ان میں سے کسی کو رہنے کے لئے مکان تعمیر کرانا ہو تو اس کو ضرورت ہو گی کسی سے اینٹ سیمنٹ وغیرہ تعمیری ضروریات خریدنے کی اور اس کے بنوانے کے لئے معماروں اور مزدوروں کی۔ پھر خدانخواستہ ان میں سے کوئی بیمار پڑ جائے تو ضرورت ہو گی حکیم ڈاکٹر سے رجوع کرنے کی اور دواؤں کی دکان سے دوا خریدنے کی۔ الغرض اشیاء کی خرید و فروخت اور تجارتی مبادلہ اور محنت و مزدوری' اور صنعت و زراعت اور قرض و عاریت وغیرہ معاشی معاملات' اس دنیا میں انسانی زندگی کے لوازم ہیں' پھر ان معاملات میں کبھی کبھی تنازعات کا پیدا ہونا بھی ناگزیر ہے ان کے حل کے لئے ضرورت ہے عدل و انصاف کے کسی نظام کی اور کسی دستور و قانون کی۔ یہ جو کچھ عرض کیا گیا کوئی فلسفہ یا منطق کا مسئلہ نہیں ہے' سب مشاہدہ اور ہم سب کا روزمرہ کا تجربہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اور سب سے آخر میں خاتم الانبیاء سیدنا حضرت محمد

ﷺ کے ذریعے جس طرح انسانوں کو یہ ہدایت دی کہ وہ اپنے آغاز و انجام کے بارے میں، اپنے پیدا کرنے والے مالک و معبود کی ذات و صفات اور توحید و آخرت وغیرہ کے بارے میں کیا عقیدہ اور یقین رکھیں اور کس طرح اس کی عبادت کریں اور کون سے اعمال ان کی روحانیت اور انسانی شرافت کے لئے مضر اور مہلک ہیں جن سے وہ بچیں اور پرہیز کریں اور اخلاق اور معاشرت کے بارے میں ان کا رویہ کیا رہے؛ اسی طرح اس نے خرید و فروخت، صنعت و تجارت اور محنت مزدوری وغیرہ ان معاشی معاملات کے بارے میں بھی جو انسانی شرافت و عظمت سے مطابقت رکھتے ہیں اور جن میں انسانوں کی دنیوی و اخروی فلاح ہے۔

اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ اس خداوندی ہدایت اور اس شعبہ سے متعلق شریعت محمدی کے احکام کی پابندی اور پیروی کرتے ہوئے ان کاموں کا کرنا اب دنیا نہیں بلکہ عین دین اور ایک معنی کی عبادت ہے، اور اللہ کی طرف سے اس پر اسی طرح اجر و ثواب اور جنت کے درجات عالیہ کا وعدہ ہے جس طرح نماز، روزہ اور ذکر و تلاوت وغیرہ عبادات اور اچھے اخلاق پر اور دین کی دعوت اور خدا کی راہ میں جان و مال کی قربانی پر۔

انسانی زندگی کے اس شعبہ یعنی معاملات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ جو ہدایتیں اور جو احکام امت کو ملے ہیں ان کی بنیاد جہاں تک ہم نے سمجھا ہے چار اصولوں پر ہے۔ ایک خلق اللہ کی نفع رسانی۔ دوسرے عدل تیسرے سچائی و دیانت داری، چوتھے سماحت، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر فریق دوسرے کے ساتھ رعایت اور خیر خواہی کا معاملہ کرے، خاص کر کمزور اور ضرورت مند فریق کو حتی الوسع سہولت دی جائے۔

اس تمہید کے بعد ناظرین کرام معاشی معاملات سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی ہدایات و تعلیمات ذیل میں پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ لکھنے والے اپنے گنہگار بندہ کو نیز پڑھنے والوں اور سننے والوں کو ان ہدایات وارشادات کی پیروی کے اہتمام کی توفیق عطا فرمائے۔

سب سے پہلے حضور ﷺ کے چند وہ ارشادات درج کئے جاتے ہیں جن میں معاشی معاملات کی ہمت افزائی فرمائی گئی ہے اور ان پر اجر و ثواب کی بشارتیں سنائی گئی ہیں۔

حلال روزی حاصل کرنے کی فکر و کوشش فرائض میں سے ہے:

عَنْ عَبْدِاللهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حلال حاصل کرنے کی فکر و کوشش فرض کے بعد فریضہ ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اکثر شارحین نے حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے اور بظاہر یہی اللہ و رسول پر ایمان اور نماز و زکوٰۃ وغیرہ جو اسلام کے اولین اور بنیادی ارکان و فرائض ہیں' درجہ اور مرتبہ میں ان کے بعد حلال روزی حاصل کرنے کی فکر اور کوشش بھی ایک اسلامی فریضہ ہے۔ بندہ اگر اس سے غفلت برتے اور کوتاہی کرے گا تو خطرہ ہے حرام روزی سے پیٹ بھرے اور آخرت میں اس کا انجام وہ ہو گا جو حرام سے پیٹ بھرنے والوں کا بتلایا گیا ہے۔ اللہ کی پناہ!

پھر یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے کسی فریضہ کا ادا کرنا اس کی بندگی اور عبادت ہے اور بندہ اس پر اس اَجر و ثواب کا مستحق ہے جو فریضہ کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنا چاہیئے۔ پس کسب حلال کی فکر و کوشش اور اس میں مشغول ہونا عین دین و عبادت اور موجب اَجر و ثواب ہے۔ اس میں کسب حلال کے طالب ہر تاجر' ہر مزدور' ہر کاشتکار اور ہر دست کار کے لئے کتنی بڑی بشارت ہے لیکن یہ بہر حال پیش نظر رہے کہ اس حدیث میں صرف کمائی کرنے کو نہیں بلکہ کسب حلال کی تلاش و فکر کا فریضہ بتلایا گیا ہے اور اس ارشاد کا خاص مقصد اور مطمع نظر حرام سے بچانا ہے۔

بعض حالات میں روپیہ پیسہ کی ضرورت اور اہمیت:

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِ يكَرِبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَنْفَعُ فِيْهِ اِلَّا الدِّيْنَارُ وَالدِّرْهَم. (رواه احمد)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے لوگوں کے لئے ایک وقت آئے گا جب روپیہ پیسہ ہی کام آئے گا۔ (مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث کو حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے ایک تابعی ابو بکر بن ابی مریم ہیں' انہوں نے واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ حضرت مقدامؓ کے یہاں دودھ دینے والے جانور تھے' ان کی ایک باندی دودھ فروخت کرتی اور اس کی قیمت خود حضرت مقدام لے لیتے تھے اس پر بعض لوگوں نے ناپسندیدگی کے ساتھ تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ آپ دودھ فروخت کراتے ہیں اور اس کی قیمت وصول کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں ایسا

کرتا ہوں، اور اپنے طرز عمل کے جواز کی سند میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا حوالہ دیا۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ اپنی چیز فروخت کر کے روپیہ پیسہ حاصل کرنا کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایسا وقت بھی آئے گا کہ روپیہ پیسہ ہی آدمی کے کام آئے گا۔ یعنی میں اسی خیال سے دودھ فروخت کرا کے روپیہ پیسہ حاصل کرتا ہوں، مطلب یہ تھا کہ یہ اگر عزیمت نہیں تو رخصت ضرور ہے۔

سچائی اور دیانت داری کے ساتھ کاروبار کرنے والے انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ.

(راہ الترمذی والدارمی والدارقطنی، و رواہ ابن ماجة عن ابن عمر)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پوری سچائی اور ایمانداری کے ساتھ کاروبار کرنے والا تاجر، نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (جامع ترمذی، سنن داری، سنن دار قطنی)...... اور ابن ماجہ نے یہی حدیث اپنی سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

(تشریح) "الصدوق" اور "الامین" دونوں مبالغے کے صیغے ہیں، حدیث کا مطلب اور پیغام واضح ہے کہ جو تاجر اور سوداگر اپنے کاروبار میں سچائی اور امانت یعنی دیانت داری کی پورے اہتمام سے پابندی کریں گے، قیامت اور آخرت میں وہ نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوں گے۔

قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔ "وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا○" (جو بندے اللہ ورسول ﷺ کی فرمانبرداری کریں گے، وہ (قیامت و آخرت میں) ان مقبولین و مقربین کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے، یعنی انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین (کے ساتھ) اور یہ سب بہت ہی اچھے رفیق ہیں) تجارت اور سوداگری بڑی آزمائش کی چیز ہے، تاجر کے سامنے بار بار ایسی صورتیں آتی ہیں کہ اگر وہ خدا کے حکم کے مطابق سچائی اور دیانت داری کا لحاظ کرنے کے بجائے اس وقت وہ اپنی تجارتی مصلحت کے مطابق بازاری بات کرے تو ہزاروں لاکھوں کا نفع ہوتا ہے۔ پس جو تاجر اپنی تجارتی مصلحت اور نفع نقصان سے صرف نظر کر کے اللہ

کے حکم کے مطابق ہر حال میں سچائی اور ایمانداری کی پابندی کرتا ہے وہ خدائی امتحان میں بڑا کامیاب ہے اور اس حدیث میں ایسے تاجروں کو بشارت سنائی گئی ہے کہ قیامت و آخرت میں وہ اللہ کے مقبول ترین بندوں یعنی نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ان کی سچائی و دیانت داری کا صلہ ہوگا۔

تنبیہ: اسی سلسلۂ معارف الحدیث میں قرآن و حدیث کے نصوص کی بنیاد پر بار بار یہ وضاحت کی جاچکی ہے کہ ایسی تمام بشارتیں اس شرط کے ساتھ مشروط ہوتی ہیں کہ وہ آدمی ان خبیث اور مہلک باتوں سے پرہیز کرے جو بندہ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کر دیتی ہیں۔

دستکاری، صنعت و حرفت اور محنت مزدوری کی فضیلت:

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِ يْكَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَكَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ اَنْ يَّاْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ وَاِنَّ نَبِيَّ اللهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَاْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ. (رواه البخارى)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی نے کبھی کوئی کھانا اس سے بہتر نہیں کھایا کہ اپنے ہاتھوں کی محنت سے کما کے کھائے اور اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کام کر کے کھاتے تھے۔
(صحیح بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ تحصیل معاش کی صورتوں میں بہت اچھی صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے ہاتھ سے کوئی ایسا کام کرے جس سے کھانے پینے وغیرہ کی ضروریات پوری ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام کی سنت بھی ہے۔ قرآن مجید میں بھی ہے کہ وہ زرہیں بناتے تھے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسی کو انہوں نے اپنا ذریعہ معاش بنایا تھا۔ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد نے دستکاری اور ذاتی محنت کو بہت بلند مقام عطا فرمادیا۔

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَىُّ الْكَسْبِ اَطْيَبُ؟ قَالَ عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهٖ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُوْرٍ. (رواه احمد)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ حضرت کون سی کمائی زیادہ پاک اور اچھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کا اپنے ہاتھ سے کوئی کام کرنا اور ہر تجارت جو پاکبازی کے ساتھ ہو۔ (مسند احمد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ سب سے اچھی کمائی تو وہ ہے جو خود اپنے دستِ بازو اور اپنی محنت سے ہو، اور اس تجارت کی کمائی بھی پاکیزہ ہے جو شریعت کے احکام کے مطابق اور دیانت داری کے ساتھ ہو "کُلُّ بَیْعٍ مَبْرُوْرٍ" کا یہی مطلب ہے۔

زراعت و باغبانی کا عظیم اجر و ثواب:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُؤْمِنٍ یَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ یَزْرَعُ زَرْعًا فَیَاْكُلُ مِنْهُ طَیْرٌ اَوْ اِنْسَانٌ اَوْ بَهِیْمَةٌ اِلَّا كَانَ لَهٗ صَدَقَةً.
(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی صاحبِ ایمان بندہ درخت کا پودا لگائے، یا کاشت کرے پھر اس میں سے پرندے کھائیں یا آدمی یا کوئی جانور تو وہ اس کے حق میں صدقہ ہو گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ باغات لگانے والوں اور کاشت کاری کرنے والوں کے لئے اس حدیث نبوی میں کتنی عظیم بشارت ہے کہ اگر کوئی آدمی یا چلتا پھرتا جانور یا اڑتا ہوا پرندہ ان کے درخت کا پھل یا کھیت کے دانے کھائے تو باغ والے اور کھیت والے بندہ کو فی سبیل اللہ صدقہ کا ثواب ہو گا۔ اس حدیث پاک میں باغبانی اور کاشتکاری کے لئے جن پر انسانوں کی بنیادی ضرورتوں کا دارومدار ہے، کتنی بڑی ترغیب اور ہمت افزائی ہے۔

جائز مال و دولت بندۂ مومن کے لئے اللہ کی نعمت ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ اُرِیْدُ اَنْ اَبْعَثَكَ عَلٰى جَیْشٍ فَیُسَلِّمَكَ اللّٰهُ وَیُغْنِمَكَ وَاَرْغَبَ لَكَ مِنَ الْمَالِ رَغْبَةً صَالِحَةً فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَسْلَمْتُ مِنْ اَجْلِ الْمَالِ وَلٰكِنْ اَسْلَمْتُ رَغْبَةً فِی الْاِسْلَامِ وَاَنْ اَكُوْنَ مَعَكَ فَقَالَ یَا عَمْرُو نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ. (رواہ احمد)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ تم کو ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجوں، پھر تم اللہ تعالیٰ کے فضل سے صحیح سالم لوٹو (اور وہ مہم تمہارے ہاتھ پر فتح ہو) اور تم کو مالِ غنیمت حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو مال و دولت کا اچھا عطیہ ملے۔ تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اسلام مال و دولت کے لئے قبول نہیں کیا ہے، بلکہ میں نے اسلام کی رغبت و محبت کی وجہ سے اس کو قبول

کیاہے 'اور اس لئے کہ آپ ﷺ کی معیت ورفاقت مجھے نصیب ہو۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے عمرو! اللہ کے صالح بندہ کے لئے جائز وپاکیزہ مال ودولت اچھی چیز (اور قابلِ قدر نعمت) ہے۔ (مسند احمد)

(تشریح) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مال ودولت اگر جائز طریقہ سے حاصل ہو تو اللہ تعالیٰ کی قابلِ قدر نعمت اور اس کا خاص فضل ہے۔ اور زہد ورقاق کے عنوانات کے تحت متعدد وہ حدیثیں اسی سلسلۂ معارف الحدیث (جلد دوم) میں ذکر کی جاچکی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فقر ومسکنت اور مال ودولت سے خالی ہاتھ رہنے کو افضلیت حاصل ہے۔ اور امت کے فقرا اغنیا سے افضل ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ بالکل صحیح ہیں اگر فقر ومسکنت کے ساتھ صبر اور تسلیم ورضا اور تعفف نصیب ہو تو پھر بلاشبہ یہ فقر ومسکنت بہت بلند مقام ہے اور اس میں بڑی خیر ہے' رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے یہی پسند فرمایا تھا' اور آپ ﷺ اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے تھے (اس سلسلے کی آپ ﷺ کی دعائیں پہلے اپنے موقع پر (جلد پنجم میں) ذکر کی جاچکی ہیں)...... اور اگر اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو جائز اور پاک ذرائع سے مال ودولت نصیب فرمائے اور شکر کی اور صحیح مصارف میں خرچ کرنے کی توفیق ملے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور بڑی قابلِ قدر نعمت ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت داؤد وسلیمان اور حضرت ایوب ویوسف علیہم السلام اور ان کے علاوہ بھی متعدد حضرات کو اللہ تعالیٰ نے اس فضل سے نوازا تھا اور اکابر صحابہ میں حضرت عثمان' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام وغیر ہم رضی اللہ عنہم کو بھی اس فضل خداوندی سے وافر حصہ عطا ہوا تھا' بہر حال یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی قابلِ قدر اور لائق شکر نعمت ہے۔ (نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ)

مالی معاملات کی نزاکت واہمیت:

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا اِبْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُسْئَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ وَ عَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ وَ عَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا اَنْفَقَهٗ وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ. (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن (جب حساب کتاب کے لئے بارگاہ

خداوندی میں پیشی ہوگی تو) آدمی کے پاؤں اپنی جگہ سے سرک نہ سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھ گچھ نہ کرلی جائے۔ ایک اس کی پوری زندگی کے بارے میں کن کاموں اور مشغلوں میں اس کو ختم کیا؟ اور دوسرے خصوصیت سے اس کی جوانی کے بارے میں کہ کن مشغلوں میں بوسیدہ اور پرانا کیا۔ اور تیسرے اور چوتھے مال و دولت کے بارے میں کہ کہاں سے اور کن طریقوں اور راستوں سے اس کو حاصل کیا تھا اور کن کاموں اور کن راہوں میں اس کو صرف کیا۔ اور پانچواں سوال یہ ہوگا کہ جو کچھ معلوم تھا اس پر کتنا عمل کیا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت میں ہر آدمی کو اپنے پورے آمد و خرچ کا بھی حساب دینا ہوگا کہ کتنا کمایا' حلال طریقہ سے کمایا یا خدانخواستہ حرام طریقہ سے؟ اور کمائی کو کن مدوں میں خرچ کیا' جائز میں یا ناجائز میں؟ الغرض اس دنیا اور اس کی زندگی میں ہم جو کچھ کماتے اور خرچ کرتے ہیں آخرت میں اس کا پورا پورا حساب دینا ہوگا۔ وہ بندے بڑے خوش نصیب اور خوش قسمت ہیں جو قیامت کے دن کے اس حساب کو پیش نظر رکھتے ہوئے کمانے اور خرچ کرنے میں اور سارے مالی معاملات میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے احکام کی پابندی کرتے ہیں' اور ان کا انجام بہت خطرناک ہے جو اسطرف سے بے فکر اور بے پروا ہیں۔

حرام مال کی نحوست اور بدانجامی:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَكْسِبُ عَبْدٌ مَالَ حَرَامٍ فَيَتَصَدَّقُ مِنْهُ فَيُقْبَلُ مِنْهُ فَيُبَارَكُ لَهُ فِيْهِ وَلَا يَتْرُكُهُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ اِلَّاكَانَ زَادَهُ اِلَى النَّارِ' اِنَّ اللّٰهَ لَا يَمْحُوْ السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ وَلٰكِنْ يَمْحُو السَّيِّئَ بِالْحَسَنِ' اِنَّ الْخَبِيْثَ لَا يَمْحُو الْخَبِيْثَ. (رواه احمد وكذافى شرح السنة.)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ (کسی ناجائز طریقہ سے) حرام مال کمائے اور اس میں سے للہ صدقہ کرے' تو اس کا صدقہ قبول ہو۔ اور اس میں سے خرچ کرے تو اس میں (من جانب اللہ) برکت ہو۔ اور جو شخص حرام مال (مرنے کے بعد) پیچھے چھوڑ کے جائے گا تو وہ اس کے لئے جہنم کا توشہ ہی ہوگا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بدی کو بدی سے نہیں مٹاتا بلکہ بدی کو نیکی سے مٹاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ گندگی گندگی کو نہیں دھو سکتی۔"
(مسند احمد، نیز شرح السنۃ میں بھی اسی طرح ہے)

(تشریح) حدیث کا حاصل اور مدعا یہ ہے کہ حرام مال سے کیا ہوا صدقہ قبول نہیں ہوتا اور حرام کمائی میں برکت نہیں ہوتی اور جب کوئی آدمی ناجائز و حرام طریقہ سے کمایا ہوا مال مرنے کے بعد وارثوں کے لئے چھوڑ گیا تو وہ آخرت میں اس کے لئے وبال ہی کا باعث ہوگا اس کو حرام کمانے کا بھی گناہ ہوگا اور وارثوں کو حرام کھلانے کا بھی۔ (حالانکہ وارثوں کے لئے حلال مال چھوڑ جانا ایک طرح کا صدقہ ہے اور اس پر یقیناً اجر و ثواب ملنے والا ہے) آگے جو فرمایا گیا ہے "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَمْحُو السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ الخ" اس میں مال حرام کا صدقہ قبول نہ ہونے اور مرنے کے بعد باعث وبال ہونے کا سبب بیان فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صدقہ اگر صحیح اور پاک مال سے ہو تو وہ گناہوں کا کفارہ اور مغفرت کا وسیلہ بن جاتا ہے لیکن اگر حرام اور ناپاک مال سے صدقہ کیا گیا تو وہ نجس اور ناپاک ہے وہ گناہوں کی گندگی کو دھونے کی اور گناہوں کا کفارہ اور مغفرت کا وسیلہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا جس طرح گندے اور ناپاک پانی سے ناپاک کپڑا پاک صاف نہیں کیا جاسکتا ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا وَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ يَا اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا وَقَالَ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَارَزَقْنَاكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَهُ اِلَى السَّمَاءِ يَارَبِّ يَارَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَّ مَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَ مَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِىَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے اور اس نے اس بارے میں جو حکم اپنے پیغمبروں کو دیا ہے وہی اپنے سب مومن بندوں کو دیا ہے "پیغمبروں کے لئے اس کا ارشاد ہے کہ "اے پیغمبر وا تم کھاؤ پاک اور حلال غذا اور عمل کرو صالح۔" اور اہل ایمان کو مخاطب کر کے اس نے فرمایا ہے کہ ...... "اے ایمان والو! تم ہمارے رزق میں سے حلال اور طیب کھاؤ (اور حرام سے بچو۔)"

اس کے بعد حضور ﷺ نے ذکر فرمایا ایک ایسے آدمی کا جو طویل سفر کر کے (کسی مقدس مقام پر) ایسے حال میں جاتا ہے کہ اس کے بال پراگندہ ہیں اور جسم اور کپڑوں پر گرد و غبار ہے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کے دعا کرتا ہے۔ اے میرے رب! اے میرے پروردگار! اور حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے اس کا پینا حرام ہے اس کا لباس حرام ہے اور حرام غذا سے

اس کا نشو و نما ہوا ہے تو ایسے آدمی کی دعا کیسے قبول ہو گی۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کا مطلب اور پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مقدس اور پاک ہے اور وہ اسی صدقہ اور اسی نذر و نیاز کو قبول کرتا ہے جو پاک مال سے ہو۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ حرام سے بچنے اور صرف حلال استعمال کرنے کا حکم وہ امر الٰہی ہے جو تمام اہل ایمان کی طرح سب پیغمبروں کو بھی دیا گیا تھا۔ لہٰذا ہر مؤمن کو چاہیئے کہ وہ اس حکم الٰہی کی عظمت و اہمیت کو محسوس کرے اور ہمیشہ اس پر عمل پیرا رہے اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ حرام مال اتنا خبیث اور ایسا منحوس ہے کہ اگر کوئی آدمی سر سے پاؤں تک درویش اور قابلِ رحم فقیر بن کے کسی مقدس مقام پہ جا کے دعا کرے لیکن اس کا کھانا پینا اور لباس حرام سے ہو تو اس کی دعا قبول نہ ہو گی۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَنِ اشْتَرٰى ثَوْبًا بِعَشْرَةِ دَرَاهِمَ وَ فِيْهِ دِرْهَمٌ حَرَامٌ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهٗ صَلٰوةً مَا دَامَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِىْ اُذُنَيْهِ قَالَ صُمَّتَا اِنْ لَمْ يَكُنِ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُهٗ. (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ "جس شخص نے دس درہم میں کوئی کپڑا خریدا اور ان میں ایک درہم بھی حرام کا تھا تو جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر رہے گا اس کی کوئی نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہ ہو گی۔" (یہ بیان کر کے) حضرت ابن عمر نے اپنی دو انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں دے لیں اور بولے "بہرے ہو جائیں میرے یہ دونوں کان اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات فرماتے نہ سنا ہو۔" (یعنی میں نے جو کہا یہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے اپنے کانوں سے سنا ہے۔) (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَتِ النَّارُ اَوْلٰى بِهٖ.
(رواہ احمد والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ گوشت اور وہ جسم جنت میں نہ جا سکے گا جس کی نشو و نما حرام مال سے ہوئی ہو۔ اور ہر ایسا گوشت اور جسم جو حرام مال سے پلا بڑھا ہے دوزخ اس کی زیادہ مستحق ہے۔ (مسند احمد، سنن دارمی، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اللہ کی پناہ! اس حدیث میں بڑی سخت وعید ہے۔ الفاظ حدیث کا ظاہر مطلب یہی ہے کہ دنیا میں جو شخص حرام کمائی کی غذا سے پلا بڑھا ہو گا وہ جنت کے داخلہ سے محروم رہے گا اور دوزخ ہی اس کا ٹھکانہ ہو گا۔ اللهم احفظنا.

شارحین حدیث نے قرآن وحدیث کے دوسرے نصوص کی روشنی میں اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ ایسا آدمی حرام خوری کی سزا پائے بغیر جنت میں نہ جاسکے گا۔ ہاں اگر وہ مومن ہو گا تو حرام کا عذاب بھگتنے کے بعد جنت میں جاسکے گا اور اگر مرنے سے پہلے اس کو صادق توبہ و استغفار نصیب ہو گیا یا کسی مقبول بندہ نے اس کی مغفرت کی دعا کی اور قبول ہو گئی یا خود رحمت الٰہی نے مغفرت کا فیصلہ فرمادیا تو عذاب کے بغیر بھی بخشا جاسکتا ہے۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ○

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاتِىْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِى الْمَرْءُ مَا اَخَذَ مِنْهُ مِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ.

(رواه البخاری وزاد رزین علیه فاذ ذالك لاتجاب لهم دعوة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو اس کی پرواہ نہ ہوگی کہ وہ جو لے رہا ہے حلال ہے یا حرام' جائز ہے یا ناجائز۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) حدیث کا مطلب بالکل ظاہر ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جس زمانہ کی اس حدیث میں خبر دی ہے بلاشبہ وہ آچکا ہے آج امت میں ان لوگوں میں بھی جو دین دار سمجھے جاتے ہیں کتنے ہیں جو اپنے پاس آنے والے روپیہ پیسہ یا کھانے پہننے کی چیزوں کے بارے میں یہ سوچنا اور تحقیق کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ ہو سکتا ہے کہ آگے اس سے بھی زیادہ خراب زمانہ آنے والا ہو۔ (مسند رزین کی اسی حدیث کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس وقت ان لوگوں کی دعائیں قبول نہ ہوں گی)

حلال و حرام اور جائز و ناجائز میں تمیز نہ کرنا' روحِ ایمانی کی موت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اس سلسلہ کی تعلیمات و ہدایات نے صحابہ کرام کی زندگیوں اور ان کے دلوں پر کیا اثر ڈالا تھا اس کا اندازہ ان دو واقعات سے کیا جاسکتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ مروی ہے کہ ان کے ایک غلام نے کھانے کی کوئی چیز ان کی خدمت میں پیش کی' آپ نے اس میں سے کچھ کھالیا' اس کے بعد اس غلام نے بتلایا کہ یہ چیز مجھے اس طرح حاصل ہوئی کہ اسلام کے دور سے پہلے زمانہ جاہلیت میں ایک آدمی کو میں نے اپنے کو کاہن ظاہر کر کے دھوکا دیا تھا اور اس کو کچھ بتلا دیا تھا۔ جیسے کہ کاہن لوگ بتلادیا کرتے تھے' تو آج وہ آدمی ملا اور اس نے مجھے اس کے حساب میں کھانے کی یہ چیز دی۔

حضرت ابو بکر کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے حلق میں انگلی ڈال کر قے کی اور جو کچھ پیٹ میں تھا سب نکال دیا۔

اسی طرح امام بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دودھ پیش کیا' آپؓ نے اس کو قبول فرمالیا اور پی لیا' آپؓ نے اس آدمی سے پوچھا کہ دودھ تم کہاں سے لائے؟ اس نے بتلایا کہ فلاں گھاٹ کے پاس سے میں گزر رہا تھا وہاں زکوٰۃ کے جانور اونٹنیاں بکریاں وغیرہ تھیں لوگ ان کا دودھ دوہ رہے تھے' انہوں نے مجھے بھی دیا' میں نے لے لیا' یہ وہی دودھ تھا۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ کی طرح حلق میں انگلی ڈال کر آپؓ نے بھی قے کر دی اور اس دودھ کو اس طرح نکال دیا۔ (مشکوٰۃ)

ان دونوں واقعوں میں ان دونوں بزرگوں نے جو کھایا یا پیا تھا چونکہ لاعلمی اور بے خبری میں کھایا پیا تھا اس لئے ہرگز گناہ نہ تھا لیکن حرام غذا کے بارے میں حضور ﷺ سے جو کچھ ان حضرات نے سنا تھا اس سے یہ اتنے خوفزدہ تھے کہ اس کو پیٹ سے نکال دینے کے بغیر چین نہ آیا۔ بے شک حقیقی تقویٰ یہی ہے۔

مقامِ تقویٰ' مشتبہ سے بھی پرہیز ضروری:

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَ بَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَايَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ. فَمَنِ اتَّقَى الشُّبْهَاتِ اِسْتَبْرَاَ لِدِيْنِهٖ وَ عِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبْهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِيْ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَّرْتَعَ فِيْهِ' اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَا وَ اِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ اَلَا وَ اِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو حلال ہے وہ واضح اور روشن ہے اور جو حرام ہے وہ بھی واضح اور روشن ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں ہیں جو مشتبہ ہیں' ان کو (یعنی ان کے شرعی حکم کو) بہت سے لوگ نہیں جانتے' پس جو شخص شبہ والی چیزوں سے بھی (ازراہ احتیاط) پرہیز کرے وہ اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالے گا اور بے داغ رہے گا۔ اور جو شخص شبہ والی چیزوں میں پڑے گا اور مبتلا ہوگا وہ (خدانکردہ) حرام

کے حدود میں جاگرے گا۔ اس چرواہے کی طرح جو اپنے جانور محفوظ سرکاری علاقے کے آس پاس بالکل قریب میں چراتا ہے تو اس کا قریبی خطرہ ہوتا ہے کہ وہ جانور اس محفوظ سرکاری علاقے میں داخل ہو کر چرنے لگیں (جو قابلِ سزا جرم ہے) اور معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر بادشاہ اور فرمانروا کا ایک حمی (محفوظ علاقہ) ہوتا ہے (جس کی حدود میں بغیر اجازت داخلہ جرم سمجھا جاتا ہے) تو اللہ تعالیٰ کا وہ حمی (محفوظ علاقہ) اس کے محارم یعنی محرمات ہیں (آدمی کو چاہیئے کہ اس کے قریب بھی نہ جائے یعنی مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرے) اور خبردار! انسان کے جسم میں ایک مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) ہے (جس کی شان یہ ہے) کہ اگر وہ ٹھیک ہو (یعنی اس میں نورِ ایمان 'خدا کی معرفت اور اس کا خوف ہو) تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے (یعنی اس کے اعمال و احوال صحیح و درست ہوتے ہیں) اور اگر اس کا حال خراب ہو تو سارے جسم کا حال بھی خراب ہوتا ہے۔ (یعنی اس کے اعمال و احوال خراب ہو جاتے ہیں۔) آگاہ رہو گوشت کا وہ ٹکڑا قلب ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے پورے ذخیرہ میں چند حدیثیں وہ ہیں جن کو امت کے علماء اور فقہا نے بہت اہم اور اصولی سمجھا ہے 'انہی میں حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت کی ہوئی یہ حدیث بھی ہے 'رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں سب سے پہلے تو یہ فرمایا ہے کہ شریعت میں جو چیزیں اور جو معاملات صراحت کے ساتھ حلال یا حرام قرار دیئے گئے ہیں ان کا معاملہ تو صاف اور روشن ہے 'لیکن ان کے علاوہ بہت سی چیزیں اور بہت سے معاملات ایسے ہیں جن کا جائز یا ناجائز ہونا کسی صریح دلیل سے معلوم نہ ہو سکے گا بلکہ دونوں رایوں کی گنجائش ہو گی' مثلاً شریعت کے ایک اصول کی روشنی میں ان کو جائز اور کسی دوسرے اصول کی روشنی میں ناجائز قرار دیا جاسکے گا تو ایسی شبہ والی چیزوں اور ایسے معاملات کے بارے میں بندۂ مؤمن کا طرزِ عمل یہ ہونا چاہیئے کہ ازراہِ احتیاط و تقویٰ ان سے بھی پرہیز کرے 'اسی میں دین اور آبرو کی حفاظت ہے۔ آگے آپ نے ارشاد فرمایا کہ...... "جو شخص ایسی مشتبہ چیزوں سے پرہیز کا اہتمام نہ کرے گا تو وہ بے احتیاطی کا عادی بن کر محرمات کا بھی مرتکب ہو جائے گا۔" پھر اس بات کو مثال سے سمجھاتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مثلاً جو چرواہا اپنے جانوروں کو اس سرکاری محفوظ علاقے کے قریب اور بالکل اس کی سرحد پر چرائے گا جس میں عوام کے لئے جانوروں کا چرانا جرم ہے تو بعید نہیں کہ اس کے جانور کسی وقت اس محفوظ علاقہ کی حدود میں داخل ہو کر چرنے لگیں 'پس جس طرح چرواہے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے جانوروں کو سرکاری علاقہ سے دور ہی رکھے اور اس کے

قریب بھی نہ جانے دے اسی طرح بندہ مومن کو چاہیئے کہ وہ مشتبہ چیزوں اور مشتبہ معاملات سے بھی پرہیز کرے اسطرح وہ محرمات اور معصیات سے ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ یہی مقام تقویٰ ہے۔

آخر میں حضور ﷺ نے ایک نہایت اہم بات ارشاد فرمائی' فرمایا کہ انسانی وجود کے بگاڑ اور سدھار' سعادت اور شقاوت کادارومدار اس کے قلب کے حال پر ہے۔جو انسان کے پورے جسمانی وجود پر اور تمام اعضاء پر حکمرانی کرتا ہے اگر وہ درست ہو گا اور اس میں خدا کی معرفت کا خوف اور ایمان کا نور ہو گا تو انسان کا پورا جسمانی وجود درست رہے گا اور اس کے اعمال واحوال صحیح اور صالح ہوں گے اور اگر قلب میں فساد و بگاڑ ہو گا اور اس پر حیوانی و شیطانی جذبات کا غلبہ ہو گا تو اس کا پورا جسمانی وجود فاسد اور غلط کار ہو گا اور اس کے اعمال واحوال شیطانی و حیوانی ہوں گے۔

اس حدیث میں قلب سے مراد انسان کا وہ باطنی حاسہ ہے جس کا رجحان خیر یا شر کی طرف ہوتا ہے۔ اس کو مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) اس لئے کہا گیا ہے کہ انسان کے سینہ میں بائیں جانب صنوبری شکل کا جو ایک خاص عضو اور مضغہ' لحم ہے جس کو قلب اور دل کہا جاتا ہے وہ اس باطنی حاسہ کا خاص محل اور گویا اس کا تخت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث پاک میں پہلے تو محرمات کے علاوہ مشتبہات سے بھی بچنے اور پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی جو تقوے کی بنیادی شرط ہے اس کے بعد آپ ﷺ نے قلب کے بارے میں یہ آگاہی دی اور بتلایا کہ انسان کی سعادت و شقاوت کا دارومدار قلب کے صلاح و فساد پر ہے' اس کی حفاظت اور نگرانی کی طرف توجہ دلائی۔ مبارک ہیں وہ بندے جو قلب اور باطن کی اس اہمیت کو سمجھتے ہیں اور قالب اور ظاہر سے زیادہ اپنے قلب اور باطن کی فکر رکھتے ہیں۔ حضرات صوفیائے کرام کا یہی امتیاز ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت کی اہمیت کو سب سے زیادہ انہوں نے سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی برکات سے ہمیں محروم نہ فرمائے۔

بعض شارحین نے اس حدیث پاک کے مضامین کی ترتیب سے یہ بھی سمجھا ہے کہ قلب کی صفائی اور طہارت کے لئے یہ ضروری ہے کہ آدمی کھانے پینے میں محرمات کے علاوہ مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرے۔

عَنْ عَطِيَّةَ السَّعْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَالَا بَاْسَ بِهٖ حَذَرًا لِمَا بِهٖ بَاْسٌ.

(رواہ الترمذی و ابن ماجه)

حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی بندہ اس

درجہ تک نہیں پہنچ سکتا کہ وہ متقیوں میں شمار ہو جب تک کہ اس کا رویہ یہ نہ ہو کہ گناہوں سے بچنے کے لئے وہ مباحات کو بھی ترک نہ کرے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) بہت سی چیزیں اور بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں کہ وہ فی نفسہ جائز اور مباح ہوتے ہیں لیکن اس کا اندیشہ ہوتا ہے کہ آدمی اُن میں مبتلا ہو کر گناہ تک پہنچ جائے اس لئے مقامِ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ ان جائز و مباح چیزوں اور کاموں سے بھی پرہیز کرے۔ اس کے بغیر آدمی مقامِ تقویٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔

معاملات اور دوسرے ابواب میں تقوے کا جو تقاضا ہے وہ ان تین حدیثوں سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے اَللّٰهُمَّ اٰتِ نُفُوْسَنَا تَقْوٰهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا.

مالی معاملات میں دوسروں کے ساتھ نرمی اور رعایت:

رسول اللہ ﷺ کی دعوت و تعلیم میں ایمان اور اللہ کی عبادت کے بعد بندگانِ خدا اور عام مخلوق کے ساتھ حسنِ سلوک، خاص کر کمزوروں اور حاجت مندوں کی خدمت اور اعانت پر بڑا زور دیا گیا ہے، اور آپ ﷺ کی تعلیم و ہدایت کا یہ نہایت وسیع اور اہم باب ہے۔ اسی سلسلۂ معارف الحدیث کی کتاب الاخلاق[1] اور کتاب[2] المعاشرہ، میں ناظرین کرام مختلف عنوانات کے تحت رسول اللہ ﷺ کے وہ پچاسوں ارشادات پڑھ چکے ہیں جن کا تعلق اسی وسیع باب کے مختلف شعبوں سے ہے۔

خرید و فروخت اور قرض وغیرہ لین دین کے معاملات میں بھی رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو مختلف عنوانات سے اس کی ہدایت فرمائی اور ترغیب دی کہ ہر فریق دوسرے کی رعایت اور خیر خواہی کرے، جس پر کسی کا حق ہے وہ اس کو ادا کرنے کی کوشش کرے، اور جس کا کسی دوسرے پر حق ہے وہ اس کے وصول کرنے میں فراخ دلی، نرمی اور فیاضی سے کام لے، اور سخت اور بے لچک رویہ اختیار نہ کرے۔ آپ ﷺ نے بتلایا کہ جو بندے ایسا کریں گے وہ ارحم الراحمین کی خاص الخاص رحمت کے مستحق ہونگے۔ اس سلسلہ کے حضور ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھیے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللهُ رَجُلًا سَمْحًا اِذَا بَاعَ وَاِذَا اشْتَرٰى وَاِذَا اقْتَضٰى. (رواه البخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی رحمت اس

---

[1] معارف الحدیث جلد دوم [2] معارف الحدیث جلد ششم

بندے پر جو بیچنے میں، خریدنے میں اور اپنے حق کا تقاضا کرنے اور وصول کرنے میں نرم اور فراخ دل ہو۔ (صحیح بخاری)

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَجُلًا كَانَ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ أَتَاهُ الْمَلَكُ لِيَقْبِضَ رُوْحَهُ فَقِيْلَ لَهُ هَلْ عَمِلْتَ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ مَا أَعْلَمُ قِيْلَ لَهُ أُنْظُرْ قَالَ مَا أَعْلَمُ شَيْئًا غَيْرَ أَنِّي كُنْتُ أُبَايِعُ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا وَأُجَازِيْهِمْ فَأُنْظِرُ الْمُوْسِرَ وَأَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ فَأَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ.

(رواه البخاری و مسلم و فی روایة لمسلم نحوه عن عقبة بن عامر و ابی مسعود الانصاری فقال الله انا احق بذا منك تجاوزوا عن عبدی)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ تم سے پہلی کسی امت میں ایک آدمی تھا، جب موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے آیا (اور قبض روح کے بعد وہ اس دنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہو گیا) تو اس سے پوچھا گیا کہ تو نے دنیا میں کوئی نیک عمل کیا تھا؟ (جو تیرے لئے وسیلۂ نجات بن سکے) اس نے عرض کیا کہ میرے علم میں میرا کوئی (ایسا) عمل نہیں ہے۔ اس سے کہا گیا کہ (اپنی زندگی پر) نظر ڈال (اور غور کر!) اس نے پھر عرض کیا کہ میرے علم میں (میرا ایسا کوئی عمل اور) کوئی چیز نہیں سوا اس کے کہ میں لوگوں کے ساتھ کاروبار اور خرید و فروخت کا معاملہ کیا کرتا تھا تو میرا رویہ ان کے ساتھ درگزر اور احسان کا ہوتا تھا، میں پیسے والوں اور اصحاب دولت کو بھی مہلت دے دیتا تھا (کہ وہ بعد میں جب چاہیں ادا کر دیں) اور غریبوں مفلسوں کو معاف بھی کر دیتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لئے جنت میں داخلہ کا حکم فرما دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

{حضرت حذیفہ کی یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اسی طرح روایت کی گئی۔ اور صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر اور حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے بھی یہ حدیث روایت کی گئی ہے اور اس کے آخر میں بجائے "فَأَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ" کے یہ الفاظ ہیں فَقَالَ اللهُ أَنَا أَحَقُّ بِذَا مِنْكَ، تَجَاوَزُوْا عَنْ عَبْدِيْ. "(اللہ تعالیٰ نے اس شخص سے فرمایا کہ احسان اور درگزر کا جو معاملہ تو میرے بندوں سے کرتا تھا (کہ غریبوں مفلسوں کو معاف بھی کر دیتا تھا) یہ (کریمانہ رویہ) میرے لئے زیادہ سزاوار ہے اور اس کا تجھ سے زیادہ حقدار ہوں (کہ معافی اور درگزر کا معاملہ کروں) اور اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے اس بندے سے درگزر کرو (یہ معاف کر دیا گیا اور بخش دیا گیا۔)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے پہلے زمانہ کے کسی شخص کا جو واقعہ بیان فرمایا ہے' ظاہر ہے کہ وہ آپ ﷺ کو وحی سے ہی معلوم ہوا ہوگا' یہ شخص دنیا سے ایسے حال میں گیا کہ خود اس کی نظر میں اس کا کوئی عمل ایسا نہیں تھا جس کی بنیاد پر وہ نجات اور جنت کی امید کر سکتا' سوا اس کے کہ وہ کاروباری معاملات اور لین دین میں اللہ کے بندوں کے ساتھ رعایت کیا کرتا اور ان کو سہولت دیا کرتا تھا۔ اگر کسی غریب شخص کے ساتھ کوئی چیز ادھار بیچی ہوتی یا قرض دیا ہوتا اور وہ ادا نہ کر سکتا تو اس کو معاف کر دیا کرتا تھا اور پیسے والوں سے بھی فوراً ادائیگی پر اصرار نہیں کرتا تھا بلکہ ان کو مہلت دے دیتا تھا کہ آئندہ ادا کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اسی عمل کی بنیاد پر مغفرت فرمادی۔ اور اس کو جنت کا پروانہ عطا ہو گیا۔ تعلیم اور نصیحت کا یہ مؤثر ترین طریقہ ہے کہ اگلوں کے سبق آموز واقعات بیان کئے جائیں۔ قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں یا بعض اشخاص و افراد کے جو واقعات اور قصص بیان فرمائے گئے ہیں ان کا خاص مقصد و مدعا یہی ہے۔ اس حدیث میں اور اس سے آگے والی حدیث میں حضور ﷺ نے نصیحت اور تربیت کا یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يُدَايِنُ النَّاسَ فَكَانَ يَقُوْلُ لِفَتَاهُ اِذَا اَتَيْتَ مُعْسِرًا تَجَاوَزْ عَنْهُ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يَّتَجَاوَزَ عَنَّا قَالَ فَلَقِيَ اللّٰهَ فَتَجَاوَزَ عَنْهُ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی تھا جو لوگوں کو قرض ادھار دے دیا کرتا تھا (تو جب اپنے غلام کو تقاضے کے لئے اور قرض وصول کرنے کے لئے بھیجتا) تو غلام سے کہتا اور اس کو ہدایت کر دیتا کہ جب تم قرضہ وصول کرنے کے لئے کسی غریب اور مفلس کے پاس جاؤ تو اس سے در گزر کیجیو' شاید (اس کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ ہم سے در گزر فرمائے اور معاف فرماوے۔ یہ بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر جب مرنے کے بعد وہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف فرمادیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں جس شخص کا واقعہ بیان کیا گیا ہے ظاہر یہی ہے کہ وہ بھی اگلی امتوں میں سے کسی امت کا فرد تھا۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَنْجَاهُ اللّٰهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ. (رواه مسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ جس بندہ نے کسی غریب تنگدست کو مہلت دی یا (اپنا مطالبہ کل یا اس کا جز) معاف کردیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی تکلیفوں اور پریشانیوں سے اس بندہ کو نجات عطا فرمائے گا۔ (صحیح مسلم)

عَنْ اَبِي الْيَسَرِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَظَلَّهُ اللهُ فِيْ ظِلِّهِ (رواہ مسلم)

حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ جو بندہ کسی غریب تنگدست کو (جس پر اس کا قرضہ وغیرہ ہو) مہلت دے دے یا (مطالبہ کل یا جز) معاف کردے تو اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کو اپنے سایہ رحمت میں لے لے گا۔ (صحیح مسلم)

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهُ عَلٰى رَجُلٍ حَقٌّ فَمَنْ اَخَّرَهُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ (رواہ احمد)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی کا کسی دوسرے بھائی پر کوئی حق (قرضہ وغیرہ) واجب الادا ہو اور وہ اس مقروض کو ادا کرنے کے لئے دیر تک مہلت دے دے تو اس کو ہر دن کے عوض صدقہ کا ثواب ملے گا۔ (مسند احمد)

(تشریح) ان سب حدیثوں کا مضمون اور پیغام بالکل واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

قرض کی فضیلت اور اس سے متعلق ہدایات:

ظاہر ہے کہ حاجت مند اور ضرورت مند کو قرض دینا اس کی مدد ہے اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اجر و ثواب صدقہ سے بھی زیادہ ہے۔ اسی کے ساتھ قرض کے بارے میں سخت وعیدیں بھی ہیں۔

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ رَجُلٌ الْجَنَّةَ فَرَاٰى عَلٰى بَابِهَا مَكْتُوْبًا اَلصَّدَقَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا وَالْقَرْضُ بِثَمَانِيَةَ عَشَرَ. (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی جنت میں داخل ہوا تو اس نے جنت کے دروازہ پر لکھا دیکھا کہ صدقہ کا اجر و ثواب دس گنا ہے اور قرض دینے کا اٹھارہ گنا۔ (معجم کبیر طبرانی)

(تشریح) حدیث میں اس کا کوئی اشارہ نہیں کہ حضور ﷺ نے یہ کس آدمی کے بارے میں فرمایا کہ وہ جنت میں داخل ہوا تو اس نے اس کے دروازے پر مندرجہ بالا جملہ لکھا دیکھا، ہو سکتا ہے کہ آپ نے یہ کسی مرد صالح کے خواب کا واقعہ بیان فرمایا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خود آپ ﷺ کا مشاہدہ یا مکاشفہ ہو اور آپ ﷺ نے اس انداز میں اس کو بیان فرمایا ہو اس دوسرے احتمال کی کسی قدر تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ

فقلت لجبريل مابال القرض افضل من الصدقة؟ قال لان السائل يسئل و عنده والمستقرض لا يستقرض الا من حاجة (جمع الفوائد)

میں نے جبریل سے پوچھا کہ قرض میں کیا خاص بات ہے کہ وہ صدقہ سے افضل ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ سائل (جس کو صدقہ دیا جاتا ہے) اس حالت میں بھی سوال کرتا اور صدقہ لے لیتا ہے جبکہ اس کے پاس کچھ ہوتا ہے اور قرض مانگنے والا قرض جب ہی مانگتا ہے جب وہ محتاج اور ضرورت مند ہوتا ہے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا ایک غریب مگر شریف و عفیف بندہ انتہائی حاجت مند اور گویا اضطرار کی حالت میں ہوتا ہے لیکن نہ وہ کسی سے سوال کرنا چاہتا ہے اور نہ صدقہ خیرات لینے کے لئے اس کا دل آمادہ ہوتا ہے، ہاں وہ اپنی ضرورت پوری کرنے اور بچوں کو فاقہ توڑنے کے لئے قرض چاہتا ہے ظاہر ہے کہ اس کو قرض دینا صدقہ سے افضل ہوگا۔ نیز خود راقم السطور کا تجربہ ہے کہ بہت سے لوگ کسی ضرورت مند کی زکوٰۃ خیرات سے مدد کرنے کے لئے تو تیار ہو جاتے ہیں لیکن اس کو قرض دینے پر ان کا دل آمادہ نہیں ہوتا اس کے لئے اس حدیث میں خاصا سبق ہے۔ حدیث کے اس آخری حصہ سے (جو ابن ماجہ کے حوالہ سے درج کیا گیا ہے) یہ بھی اشارہ ملا کہ صدقہ کے مقابلہ میں وہی قرض افضل ہے جو کسی حاجتمند کو اس کی حاجت رفع کرنے کے لئے دیا جائے۔

قرض کا معاملہ بڑا سنگین اور اس کے بارے میں سخت وعیدیں:

رسول اللہ ﷺ نے ایک طرف تو اصحاب وسعت کو ترغیب دی کہ وہ ضرورت مند بھائیوں کو قرض دیں اور اس کی ادائیگی کے لئے مقروض کو مہلت دیں کہ جب سہولت ہو ادا کرے اور نادار مفلس ہو تو قرضہ کا کل یا جز معاف کردیں اور اس کا بڑا اجر و ثواب بیان فرمایا اور دوسری طرف قرض لینے والوں کو آگاہی دی کہ وہ جلد سے جلد قرض کے ادا کرنے اور اس کے بوجھ سے سبکدوش ہونے کی فکر اور کوشش کریں، اگر خدانخواستہ قرض ادا کئے بغیر اس دنیا سے چلے گئے تو آخرت میں اس کا انجام ان کے حق میں بہت برا ہوگا کبھی کبھی آپ ﷺ نے اس کو سنگین ترین اور ناقابل معافی گناہ بتلایا اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ کسی میت کے متعلق آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ اس پر کسی کا قرضہ ہے جس کو اس نے ادا نہیں کیا ہے، تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار فرمادیا۔ ظاہر ہے کہ یہ آپ ﷺ کی طرف سے آخری درجہ کی تنبیہ تھی۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَعْظَمَ الذُّنُوْبِ عِنْدَاللّٰہِ اَنْ یَّلْقَاہُ عَبْدٌ بَعْدَ الْکَبَائِرِ الَّتِیْ نَھَی اللّٰہُ عَنْھَا اَنْ یَّمُوْتَ رَجُلٌ وَعَلَیْہِ دَیْنٌ لَا یَدَعُ لَہٗ قَضَاءً. (رواہ احمد و ابو داؤد)

حضرت ابو موسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کبیرہ گناہوں کے بعد جن سے اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع فرمایا ہے (جیسے شرک اور زنا وغیرہ) سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی اس حال میں مرے کہ اس پر قرض ہو اور اس کی ادائیگی کا سامان چھوڑ نہ گیا ہو۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَۃٌ بِدَیْنِہٖ حَتّٰی یُقْضٰی عَنْہُ. (رواہ الشافعی واحمد والترمذی و ابن ماجۃ والدارمی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن بندہ کی روح اس کے قرضہ کی وجہ سے بیچ میں معلق اور رکی رہتی ہے جب تک وہ قرضہ ادا نہ کردیا جائے جو اس پر ہے۔ (مسند شافعی، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، مسند دارمی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بندہ ایسی حالت میں دنیا سے گیا جس کو ایمان بھی نصیب ہے اور اعمال صالحہ بھی اس کے اعمال میں ہیں جو نجات اور جنت کا وسیلہ بنتے ہیں لیکن اس پر کسی کا قرضہ ہے جس کو وہ ادا کر کے نہیں گیا اور اس معاملہ میں اس نے غفلت اور کوتاہی کی تو جب

تک اس کی طرف سے قرضہ ادانہ ہوجائے وہ راحت ورحمت کی اس منزل اور مقام تک نہیں پہنچ سکے گا جو مومنین صالحین کے لئے موعود ہے۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُغْفَرُ لِلشَّهِيْدِ كُلُّ ذَنْبٍ اِلَّا الدَّيْنَ. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شہید ہونے والے مرد مومن کے سارے گناہ (راہِ خدا میں جان کی قربانی دینے کی وجہ سے) بخش دیئے جاتے ہیں بجز قرض کے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ راہِ خدا میں شہید ہونا ایسا مقبول عمل ہے کہ وہ آدمی کے سارے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور اس کی برکت سے سارے گناہ معاف کردیئے جاتے اور بخش دیئے جاتے ہیں، لیکن اگر اس پر کسی بندہ کا قرضہ تھا تو اس کے حساب میں وہ گرفتار رہے گا کیونکہ وہ حق العبد ہے، اس سے نجات اور رہائی کی صورت یہی ہے کہ وہ قرضہ ادا کیا جائے۔ (یا جس کا قرضہ ہے وہ لوجہ اللہ معاف کردے) آگے درج ہونے والی دو حدیثوں سے یہ بات اور زیادہ صراحت سے معلوم ہوگی کہ اس معاملہ میں اللہ کا قانون کس قدر بے لاگ اور سخت ہے۔

عَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَاَيْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِىْ سَبِيْلِ اللهِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا مُقْبِلاً غَيْرَ مُدْبِرٍ يُكَفِّرُاللهُ عَنِّىْ خَطَايَاىَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ..... فَلَمَّا اَدْبَرَ نَادَاهُ فَقَالَ نَعَمْ اِلَّا الدَّيْنَ كَذَالِكَ قَالَ جِبْرِيْلُ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے بتلایئے کہ اگر میں اللہ کے راستہ میں صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ اور اللہ کی رضا اور ثواب آخرت کی طلب ہی میں جہاد کروں اور مجھے اس حالت میں شہید کردیا جائے کہ میں پیچھے نہ ہٹ رہا ہوں بلکہ پیش قدمی کر رہا ہوں تو کیا میری اس شہادت اور قربانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ میرے سارے گناہ معاف کردے گا؟ آپ ﷺ نے جواب فرمایا ہاں (اللہ تمہارے سارے گناہ معاف فرمادے گا) پھر جب وہ آدمی آپ سے یہ جواب پاکر لوٹنے لگا تو آپ ﷺ نے اس کو پھر پکارا اور فرمایا ہاں (تمہارے سب گناہ معاف ہوجائیں گے) سوائے قرضہ کے یہ بات اللہ کے فرشتہ جبرئیل امین نے اسی طرح بتلائی ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ یہ بات کہ شہید ہونے سے بندے کے سارے گناہ تو معاف ہو جاتے ہیں لیکن اگر کسی کے قرضہ کا بار لے کر گیا ہے تو اس کی وجہ سے گرفتار رہے گا۔ میں خدا کی وحی کی بناء پر کہہ رہا ہوں جو جبرئیل امین نے مجھے پہنچائی ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ جَحْشٍ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا بِفِنَاءِ الْمَسْجِدِ حَيْثُ يُوْضَعُ الْجَنَائِزُ وَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ بَيْنَ ظَهْرَيْنَا فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَصَرَهُ إِلَى السَّمَاءِ فَنَظَرَ ثُمَّ طَاطَأَ بَصَرَهُ وَ وَضَعَ يَدَهُ عَلَى جَبْهَتِهِ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ سُبْحَانَ اللهِ مَاذَا نَزَلَ مِنَ التَّشْدِيْدِ قَالَ فَسَكَتْنَا يَوْمَنَا وَلَيْلَتَنَا فَلَمْ نَرَ إِلَّا خَيْرًا حَتَّى أَصْبَحْنَا قَالَ مُحَمَّدٌ فَسَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا التَّشْدِيْدُ الَّذِىْ نَزَلَ؟ قَالَ فِى الدَّيْنِ وَالَّذِىْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ اَنَّ رَجُلًا قُتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللهِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللهِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللهِ ثُمَّ عَاشَ وَ عَلَيْهِ دَيْنٌ مَا دَخَلَ الْجَنَّةَ حَتَّى يُقْضَى دَيْنُهُ.

(رواہ احمد)

حضرت محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک دن مسجد کے باہر کے میدان میں جہاں جنازے لا کر رکھے جاتے ہیں بیٹھے ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے' اچانک آپ ﷺ نے نگاہ مبارک آسمان کی طرف اٹھائی اور کچھ دیکھا، پھر نگاہ نیچی فرمالی' اور (ایک خاص فکر مندانہ انداز میں) اپنا ہاتھ پیشانی مبارک پر رکھ کر بیٹھ گئے' اور اسی حالت میں فرمایا "سبحان اللہ سبحان اللہ (اللہ پاک ہے' اس کا ہر حکم اور فیصلہ برحق) کس قدر سخت وعید اور سنگین فرمان نازل ہوا ہے" حدیث کے راوی محمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ اس دن اور اس رات ہم سب خاموش رہے (اور منتظر رہے کہ کیا ظہور میں آتا ہے' مگر) خیریت ہی رہی تو اگلے دن صبح کو میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت وہ کیا سخت اور بھاری چیز تھی جو کل نازل ہوئی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ نہایت سخت وعید اور بھاری فرمان قرضہ کے بارے میں نازل ہوا ہے (اس کے بعد آپ ﷺ نے اس خداوندی فرمان اور وعید کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا) قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے' اگر کوئی آدمی راہ خدا میں یعنی جہاد میں شہید ہو اور وہ شہادت کے بعد پھر زندہ ہو جائے اور پھر جہاد میں شہید ہو اور اس کے بعد پھر زندہ ہو جائے اور پھر راہ خدا میں شہید ہو اور پھر زندہ ہو اور اس کے ذمہ قرض ہو تو وہ جنت میں اس وقت تک نہ جاسکے گا جب تک اس کا قرض ادا نہ ہو جائے۔

(تشریح) بظاہر ان سب حدیثوں اور وعیدوں کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ قرضہ کے ادانہ کرنے میں بدنیتی اور غفلت ولاپروائی کا دخل ہو اگر ادا کرنے کی نیت تھی اور فکرمند بھی تھا لیکن بے چارہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو سکا اور اسی حال میں دنیا سے چلا گیا تو اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ عند اللہ معذور ہو گا جیسا کہ عنقریب ہی درج ہونے والی ایک حدیث سے معلوم ہو گا۔ واللہ اعلم۔

اس حدیث سے ضمنی طور پر یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے دور میں جنازوں کی نماز مسجد سے باہر میدان میں ہوتی تھی' حنفیہ کے نزدیک یہی بہتر ہے۔

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اُتِيَ بِجَنَازَةٍ فَقَالُوْا صَلِّ عَلَيْهَا فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوْا لَا فَصَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ اُتِيَ بِجَنَازَةٍ اُخْرٰى' فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قِيْلَ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا؟ قَالُوْا ثَلٰثَةَ دَنَانِيْرَ فَصَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ اُتِيَ بِالثَّالِثَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ؟ قَالُوْا ثَلٰثَةُ دَنَانِيْرَ قَالَ هَلْ تَرَكَ شَيْئًا؟ قَالُوْا لَا قَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ قَالَ اَبُوْ قَتَادَةَ صَلِّ عَلَيْهِ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَ عَلَيَّ دَيْنُهٗ' فَصَلّٰى عَلَيْهِ. (رواه البخاری)

حضرت سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک میت کا جنازہ لایا گیا' اور عرض کیا گیا کہ حضرت اس کی نماز جنازہ پڑھا دیجئے! آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا اس آدمی پر کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ کچھ قرض نہیں ہے' تو آپ ﷺ نے اس جنازہ کی نماز پڑھادی۔ پھر ایک دوسرا جنازہ لایا گیا' اس کے بارے میں آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس میت پر کسی کا قرضہ ہے؟ عرض کیا گیا کہ ہاں اس پر قرض ہے' تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا اس نے کچھ ترکہ چھوڑا ہے (جس سے قرض ادا ہو جائے) لوگوں نے عرض کیا کہ اس نے تین دینار چھوڑے ہیں تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھادی' پھر تیسرا جنازہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے اس کے بارے میں بھی دریافت فرمایا کہ کیا اس مرنے والے پر کچھ قرضہ ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں اس پر تین دینار کا قرضہ ہے' آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس نے کچھ ترکہ چھوڑا ہے (جس سے قرض ادا ہو سکے) لوگوں نے عرض کیا کہ کچھ نہیں چھوڑا تو آپ ﷺ نے حاضرین صحابہ سے فرمایا کہ اپنے اس ساتھی کی نماز جنازہ تم لوگ پڑھ لو۔ تو ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور اس کی نماز پڑھادیں اور اس پر جو قرضہ ہے وہ میں نے اپنے ذمہ لے لیا (میں ادا کروں گا) تو اس کے بعد آپ ﷺ نے اس جنازہ کی بھی نماز پڑھادی۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کا یہ طرز عمل بظاہر زندوں کو تنبیہ کے لئے تھا کہ وہ قرضوں کے ادا کرنے میں غفلت اور کوتاہی نہ کریں اور ہر شخص کی یہ کوشش ہو کہ اگر اس پر کسی کا قرضہ ہے تو وہ اس سے سبکدوش ہونے کی فکر اور کوشش کرے اور دنیا سے اس حال میں جائے کہ اس کے ذمہ کسی کا کچھ مطالبہ نہ ہو۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث اسی بارے میں مروی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ طرز عمل (کہ قرض دار میت کی نماز جنازہ سے خود معذرت فرمادیتے اور صحابہ کرام سے فرمادیتے تھے کہ تم لوگ پڑھ لو) ابتدائی دور میں تھا بعد میں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتوحات کا دروازہ کھل گیا اور افلاس و ناداری کا دور ختم ہو گیا تو آپ ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ اگر کوئی مسلمان اس حال میں انتقال کر جائے کہ اس پر قرض ہو (اور ادائگی کا سامان نہ چھوڑا ہو) تو وہ قرض میرے ذمہ ہے میں اس کو ادا کروں گا۔ اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ کسی مسلمان کے ذمہ کسی دوسرے کا حق باقی نہ رہ جائے۔

بہر حال ان سب حدیثوں سے معلوم ہوا کہ قرض ادا نہ کرنا اور اس حال میں دنیا سے چلا جانا بڑا سنگین گناہ ہے اور اس کا انجام بہت ہی خطرناک ہے۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات سے سبق لینے کی ہم سب کو توفیق دے اور دنیا سے اس حال میں اُٹھائے کہ کسی بندہ کا قرض اور کوئی حق ہمارے ذمہ نہ ہو۔

قرض ادا کرنے کی نیت ہو تو اللہ تعالیٰ ادا کرا ہی دے گا:

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ اَدَاءَ هَا اَدَّى اللهُ عَنْهُ وَ مَنْ اَخَذَ يُرِيْدُ اِتْلَا فَهَا اَتْلَفَهُ اللهُ عَلَيْهِ. (رواه البخارى)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی لوگوں سے (قرض ادھار) مال لے اور اس کی نیت اور ارادہ ادا کرنے کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے ادا کرا دے گا۔ (یعنی ادائگی میں اس کی مدد فرمائے گا اور اگر زندگی میں وہ ادا نہ کر سکا تو آخرت میں اس کی طرف سے ادا فرما کر اس کو سبکدوش فرما دے گا) اور جو کوئی کسی سے (قرض ادھار) لے اور اس کا ارادہ ہی مار لینے کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو تلف اور تباہ ہی کرا دے گا (یعنی دنیا میں بھی وہ اس بدنیت آدمی کو لینا نہ ہو گا اور آخرت میں اس کے لئے وبال عظیم ہو گا۔ (صحیح بخاری)

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ خَلِيْلِىْ وَ صَفِيِّىْ صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ اَحَدٍ يُدَانُ دَيْنًا فَيَعْلَمُ اللّٰهُ اَنَّهُ يُرِيْدُ قَضَاءَهُ اِلَّا اَدَّاهُ اللّٰهُ عَنْهُ فِي الدُّنْيَا. (رواه النسائی)

حضرت عمران بن حصینؓ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا' آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جو کوئی بندہ قرض لے اور اس کے علم میں ہو کہ اس کی نیت اور ارادہ ادا کرنے کا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا وہ قرضہ دنیا ہی میں ادا کرادے گا۔ (سنن نسائی)

(تشریح) حضرت عمران بن حصین کی اس روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ بہت قرض لیا کرتی تھیں (غالباً مصارف خیر میں صرف کرنے کے لئے لیتی ہوں گی) تو ان کے خاص اعزہ اور متعلقین نے اس بارے میں ان سے بات کی (اور اس معاملہ میں احتیاط کا مشورہ دیا) تو آپؓ نے صاف فرمادیا کہ میں اس کو نہیں چھوڑوں گی اور ان کو حضور ﷺ کا یہی ارشاد سنایا' مطلب یہ تھا کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کی بناء پر مجھے کامل یقین ہے کہ میں جو کچھ قرض لیتی رہوں گی اس کی پائی پائی اللہ تعالےٰ دنیا ہی میں ادا کرادے گا' مجھے اس کی ضمانت اور کفالت پر پورا اعتماد اور بھروسا ہے۔ بے شک ایسے اصحاب یقین کیلئے یہ طرز عمل درست ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الدَّائِنِ حَتّٰى يَقْضِىَ دَيْنَهُ مَالَمْ يَكُنْ فِيْمَا يَكْرَهُ. (رواه ابن ماجة)

حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ مقروض کے ساتھ ہے جب تک کہ اس کا قرضہ ادا ہو بشرطیکہ یہ قرضہ کسی برے کام کے لئے نہ لیا گیا ہو۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو بندہ اپنی صحیح ضرورت و حاجت یا کسی نیک کام کے لئے قرض لے اور وہ اس کی ادائیگی کی نیت اور فکر رکھتا ہو تو قرضہ ادا ہونے تک اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور مدد اس کے ساتھ رہے گی۔ سنن ابن ماجہ کی اسی روایت میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حدیث کے راوی عبداللہ بن جعفرؓ اس حدیث کی بناء پر ہمیشہ مقروض رہتے تھے' فرماتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا کوئی دن اور کوئی رات ایسی نہ گزرے جس میں اللہ تعالیٰ کی "معیت" یعنی خاص عنایت مجھے نصیب نہ ہو۔

ان کے حالات میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ بہت سخی تھے اس لئے بھی ہمیشہ مقروض رہتے تھے۔

قرض لینے اور ادا کرنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل:

رسول اللہ ﷺ کو بھی قرض لینے کی ضرورت پڑتی تھی اور آپ ﷺ قرض لیتے تھے اسی سلسلہ معارف الحدیث میں یہ بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ آپ ﷺ غیر مسلموں یہودیوں سے بھی قرض لیتے تھے اور اس میں جو عظیم دینی مصلحتیں اور حکمتیں تھیں وہ بھی وہاں بیان کی جا چکی ہیں۔ یہاں اس سلسلہ میں صرف تین حدیثیں درج کی جاتی ہیں۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ لِي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَيْنٌ فَقَضَانِي وَزَادَنِي. (رواه ابو داؤد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرا رسول اللہ ﷺ پر کچھ قرض تھا تو آپ ﷺ نے جب وہ ادا فرمایا تو (میری واجبی رقم سے) زیادہ عطا فرمایا۔ (سنن ابوداؤد)

(تشریح) قرض دار کا ادائیگی کے وقت اپنی طرف سے کچھ زیادہ ادا کرنا جائز بلکہ مستحب اور سنت ہے۔ چونکہ یہ کسی شرط اور معاہدہ کی بناء پر نہیں ہوتا اس لئے یہ "ربوا" (سود) نہیں بلکہ تبرع اور احسان ہے۔ یہ ان سنتوں میں سے ہے جس کو بتلانے اور رواج دینے کی ضرورت ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا تَقَاضَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَغْلَظَ لَهُ فَهَمَّ أَصْحَابُهُ فَقَالَ دَعُوهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا وَاشْتَرُوا لَهُ بَعِيرًا فَأَعْطُوهُ إِيَّاهُ قَالُوا لَا نَجِدُ إِلَّا أَفْضَلَ مِنْ سِنِّهِ قَالَ اشْتَرُوهُ فَأَعْطُوهُ إِيَّاهُ فَإِنَّ خَيْرَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً. (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے قرضہ کا تقاضا کیا اور سخت کلامی کی تو آپ ﷺ کے اصحاب کرام نے (جو اس وقت موجود تھے اس کے ساتھ سختی سے پیش آنے کا) ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا "اس کو چھوڑ دو کچھ نہ کہو کیونکہ صاحبِ حق کو کہنے کا حق ہے اور اس کا قرض ادا کرنے کے واسطے ایک اونٹ خرید لاؤ اور اس کو دے دو۔" انہوں نے واپس آکر کہا (اس شخص کا اونٹ جس حیثیت کا تھا اس طرح کا اونٹ نہیں مل رہا ہے) صرف ایسا اونٹ ملتا ہے جو اس کے اونٹ سے زیادہ عمر کا اور زیادہ بڑھیا ہے' آپ ﷺ نے فرمایا وہی خرید لاؤ اور اس کو وہی دے دو' کیونکہ وہ آدمی زیادہ اچھا ہے جو بہتر اور برتر ادا کرے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بلکہ اس سے پہلے سے عرب میں یہ عام رواج تھا کہ ایک آدمی اپنی ضرورت کے لئے دوسرے آدمی سے اونٹ قرض لے لیتا اور یہ معاملہ روپیہ پیسے کے

حساب سے نہ ہوتا بلکہ یہ طے ہو جاتا کہ اس عمر اور اس حیثیت کا دوسرا اونٹ اس کے بدلے مقررہ مدت تک دے دیا جائے گا۔ تو رسول اللہ نے اس رواج کے مطابق کسی وقت کسی شخص سے اونٹ قرض لیا تھا۔ غالباً مقررہ وقت آجانے پر وہ تقاضا کرنے آیا اور اس نے ادب و تمیز کے خلاف سخت رویہ اختیار کیا' صحابہ کرام میں سے جو حضرات اس وقت حاضر و موجود تھے انہوں نے اس کے ساتھ سختی سے پیش آنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اس کو کچھ نہ کہو' اس کا ہم پر حق ہے اور صاحبِ حق کو سخت سست کہنے کا حق ہے۔ ہاں تم یہ کرو کہ جس عمر کا اور جس حیثیت کا اس شخص کا اونٹ تھا ویسا ہی خرید کر لا دو اور اس کو ادا کر دو۔ صحابہ کرام نے ویسا اونٹ تلاش کیا' لیکن کہیں نہیں ملا' ہاں عمر اور حیثیت کے لحاظ سے اس سے بڑا اور بڑھیا اونٹ ملتا تھا' انہوں نے واپس آکر حضور سے یہی عرض کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو بڑا اور بڑھیا مل رہا ہے وہی خرید لاؤ اور اس کو وہی دے دو۔ ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ جو آدمی زیادہ بہتر اور برتر ادا کرتا ہے وہی زیادہ اچھا ہے۔ اس حدیث میں امت کے لئے جو سبق ہے وہ کسی وضاحت اور تشریح کا محتاج نہیں۔

کسی ذریعہ سے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ شخص جس کا اس حدیث میں ذکر ہے اور جس نے تقاضا کرنے میں ادب و تمیز کے خلاف رویہ اختیار کیا تھا' کون تھا' غالب گمان یہی ہے کہ کوئی غیر مسلم یہودی وغیرہ ہوگا۔ اس سلسلہ معارف الحدیث میں اس حدیث کی تشریح میں جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ کی زرہ مبارک ۳۰ صاع جو کے عوض ایک یہودی کے یہاں رہن رکھی ہوئی تھی) تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضور ﷺ یہودیوں وغیرہ غیر مسلموں سے بھی قرض لے لیتے تھے اور وہیں اس کی حکمتیں و مصلحتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ رَبِيعَةَ قَالَ اِسْتَقْرَضَ مِنِّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعِيْنَ اَلْفًا فَجَاءَهُ مَالٌ فَدَفَعَهُ اِلَيَّ وَقَالَ بَارَكَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِىْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ اِنَّمَا جَزَاءُ السَّلَفِ الْحَمْدُ وَالْاَدَاءُ.
(رواہ النسائی)

حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے چالیس ہزار قرض لیا پھر آپ کے پاس سرمایہ آگیا تو آپ نے مجھے عطا فرما دیا اور ساتھ ہی مجھے دعا دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اہل و عیال اور مال میں برکت دے۔ قرض کا بدلہ یہ ہے کہ ادا کیا جائے اور (قرض دینے والے کی) تعریف اور شکریہ ادا کیا جائے۔ (سنن نسائی)

(تشریح) ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ قرض بھی لیتے تھے اور ادائیگی کے وقت "هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ" کے اصول پر حق واجب سے زیادہ اور بہتر ادا فرماتے تھے اور دعائے خیر سے بھی نوازتے تھے۔ آخری حدیث میں چالیس ہزار قرض لینے کا ذکر ہے۔ بظاہر اس سے مراد چالیس ہزار درہم ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات آپ بڑی بڑی رقمیں بھی قرض لیتے تھے لیکن ظاہر ہے کہ ایسے قرضے آپ ﷺ جہاد وغیرہ دینی مہمات ہی کے لئے لیتے ہوں گے ورنہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل وعیال کی معیشت کا حال تو یہ تھا کہ بقول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کبھی دو دن متواتر پیٹ بھر کے جو کی روٹی بھی نہیں کھائی اور بسا اوقات فاقوں کی نوبت آتی تھی اور مہینوں گھر میں چولہا گرم نہیں ہوتا تھا صرف پانی اور کھجور پر گزارہ ہوتا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

رِبا (سود)

دنیا کے دوسرے ملکوں اور قوموں کی طرح عربوں میں بھی سودی لین دین کا رواج تھا اور ہمارے یہاں کے سود خور مہاجنوں کی طرح وہاں بھی کچھ سرمایہ دار یہ کاروبار کرتے تھے جس کی عام مروج و معروف صورت یہی تھی کہ ضرورت مند لوگ ان سے قرض لیتے اور طے ہو جاتا کہ یہ رقم وہ فلاں وقت تک اتنے اضافے کے ساتھ ادا کر دیں گے۔ پھر اگر مقررہ وقت پر قرض لینے والا ادا نہ کر سکتا تو مزید مہلت لے لیتا اور اس مہلت کے حساب میں سود کی رقم میں اضافہ طے ہو جاتا۔ اس طرح غریب قرض داروں کا بوجھ بڑھتا رہتا اور سود خور مہاجن ان کا خون چوستے رہتے۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز اسلام کی روح اور اس کے مزاج کے بالکل خلاف تھی۔ اسلام کی تعلیم اور ہدایت تو اس کے بالکل برعکس یہ ہے کہ غریبوں کی مدد کی جائے کمزوروں کو سہارا دیا جائے اور ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کی جائے اور یہ سب اپنی کسی دنیوی مصلحت و منفعت کے لئے نہیں بلکہ صرف اللہ کی رضا اور آخرت کے ثواب کے لئے کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک قرآن مجید میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں جس طرح ام الخبائث شراب سے لوگوں کو بچانے کے لئے تدریجی رویہ اختیار فرمایا اسی طرح سود کے ظالمانہ اور لعنتی کاروبار کے رواج کو ختم کرنے کے لئے بھی اسی حکمت عملی کو استعمال کیا گیا۔ شروع میں طویل مدت تک صرف مثبت انداز میں اس بات پر زور دیا گیا کہ اپنی دولت فی سبیل اللہ خرچ کرو' غریبوں کی مدد کرو' کمزوروں کو سہارا دو' ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرو۔ رحم' سخاوت اور ایثار جیسے اخلاق کو اپناؤ' بتلایا گیا کہ تم بھی فانی ہو' تمہاری دولت بھی فنا ہو جانے والی ہے۔ اس لئے اس دولت کے ذریعہ آخرت کی ابدی فلاح اور جنت کماؤ' قارون جیسے پرستارانِ دولت کے انجام سے سبق حاصل کرو۔

اس تعلیم و ہدایت اور اس کے مطابق عمل نے معاشرہ کا مزاج ایسا بنا دیا' اور فضا اس کے لئے ایسی سازگار ہو گئی کہ اس ظالمانہ اور انسانیت کش کاروبار (ربوا۔ سود) کی قطعی حرمت کا قانون نافذ کر دیا جائے۔ چنانچہ اواخر سورہ بقرہ کی ۲۷۵ سے ۲۸۰ تک کی وہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں واضح

طور پر ربوٰا (سود) کی حرمت کا اعلان کیا گیا ہے۔ (یعنی "اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا" سے لے کر "وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ." تک۔

ان آیتوں میں یہ بھی صراحت کردی گئی اگر پچھلے لین دین کے سلسلے میں کسی کی کوئی سودی رقم کسی مقروض کے ذمے باقی ہے تو وہ بھی اب نہیں لی دی جائے گی۔ انہی آیتوں میں آخر میں یہ بھی اعلان فرمادیا گیا کہ سودی کاروبار کی حرمت کے اس اعلان کے بعد بھی جو لوگ باز نہ آئیں اور خداوندی قانون کی نافرمانی کریں ان کے خلاف اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے (فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ)۔ اللہ کی پناہ!

یہ وعید (یعنی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ کی وعید) سودی کاروبار کے سوا زنا، شراب، خونِ ناحق وغیرہ کسی بھی بڑے سے بڑے گناہ کے بارے میں قرآن مجید میں وارد نہیں ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی نگاہ میں یہ گناہ دوسرے سب گناہوں سے زیادہ شدید و غلیظ ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے سود خوری کو انتہائی درجہ کے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا ہے۔ اور سود لینے والوں کے ساتھ اس کے دینے والوں یہاں تک کہ سودی دستاویز لکھنے والوں اور سودی معاملے کے گواہ بننے والوں کو بھی مستحق لعنت قرار دیا ہے۔ اور بعض روایات میں سود کا گناہ زنا سے ستر گنا زیادہ بتلایا گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد اس باب کی مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھیے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْتَنِبُوْا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَ قَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَكْلُ الرِّبٰوا وَاَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ وَالتَّوَلِّیْ يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات مہلک اور تباہ کن گناہوں سے بچو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون سے سات گناہ ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے ساتھ (اس کی عبادت یا صفات یا افعال میں کسی کو) شریک کرنا، اور جادو کرنا، اور ناحق کسی آدمی کو قتل کرنا اور سود کھانا، اور یتیم کا مال کھانا اور (اپنی جان بچانے کے لئے) جہاد میں لشکر اسلام کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جانا اور اللہ کی پاک دامن بھولی بھالی بندیوں پر زنا کی تہمت لگانا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں جن گناہوں سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے یہ شدید ترین اور خبیث ترین کبیرہ گناہ ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کو "موبقات" فرمایا ہے (یعنی آدمی کو اور اس کی ایمانی روح کو ہلاک و برباد کر دینے والے) ان میں آپ ﷺ نے شرک اور سحر اور قتل ناحق کے بعد اکل ربا (سود لینے اور کھانے) کا ذکر فرمایا اور اس کو روح ایمانی کے لئے قاتل اور مہلک بتلایا ہے۔

جس طرح اطبا اور ڈاکٹر اپنے تحقیقی علم و فن اور تجربہ کی بناء پر اس دنیا میں زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں، دواؤں، غذاؤں وغیرہ کے خواص بیان کرتے ہیں کہ فلاں چیز میں یہ خاصیت اور تاثیر ہے اور یہ آدمی کے فلاں مرض کے لئے مفید یا مضر ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے علم کی بنیاد پر انسانوں کے عقائد و افکار اور اعمال و اخلاق کے خواص اور نتائج بتلاتے ہیں کہ فلاں ایمانی عقیدہ اور فلاں نیک عمل اور فلاں اچھی خصلت کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت میں جنت کی نعمتیں اور دنیا میں قلب و روح کا سکون ہے اور فلاں کافرانہ و مشرکانہ عقیدے اور فلاں ظلم و معصیت کا انجام اللہ کی لعنت اور دوزخ کا عذاب اور دنیا میں طرح طرح کی بے چینیاں اور پریشانیاں ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ اطباء اور ڈاکٹروں کی تحقیق اور غور و فکر میں غلطی کا امکان ہے اور کبھی کبھی غلطی کا تجربہ بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کے علم کی بنیاد خالق کائنات اور علیم کل اللہ تعالیٰ کی وحی پر ہوتی ہے اس میں کسی بھول چوک یا غلطی کا احتمال اور کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ مگر عجب معاملہ ہے کہ حکیموں ڈاکٹروں کی تجویز کی ہوئی دواؤں کو سب بلا چون و چرا ان کے اعتماد پر استعمال کرتے ہیں، پرہیز کے بارے میں وہ جو ہدایت دیں اس کی بھی پابندی ضروری سمجھی جاتی ہے اور اسی کو عقل کا تقاضا سمجھا جاتا ہے اور کسی مریض کو یہ حق تسلیم نہیں کیا جاتا کہ وہ کہے کہ میں دوا جب استعمال کروں گا جب اس کی تاثیر کا فلسفہ مجھے سمجھا دیا جائے۔ لیکن اللہ کی کتاب قرآن مجید اور اس کے رسول برحق خاتم الانبیاء ﷺ مثلاً سود کے بارے میں فرمائیں کہ وہ شدید و خبیث کبیرہ گناہ اور "موبقات" میں سے ہے۔ خدا کی لعنت و غضب کا موجب اور روح ایمان کے لئے قاتل ہے اور سود خوروں کے لئے آخرت میں لرزہ خیز عذاب ہے تو بہت سے مدعیان عقل و ایمان کے لئے یہ کافی نہ ہو اور وہ اس کا "فلسفہ" معلوم کرنا ضروری سمجھیں۔ اللہ دلوں کو ایمان و یقین نصیب فرمائے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِىَ بِىْ عَلٰى قَوْمٍ بُطُوْنُهُمْ كَالْبُيُوْتِ فِيْهَا الْحَيَّاتُ تُرٰى مِنْ خَارِجِ بُطُوْنِهِمْ فَقُلْتُ مَنْ

هٰٓؤُلَاءِ يَا جِبْرَئِيْلُ؟ قَالَ هٰٓؤُلَاءِ اَكَلَةُ الرِّبٰوا. (رواه احمد و ابن ماجة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس رات مجھے معراج ہوئی میرا گزر ایک ایسے گروہ پر ہوا جن کے پیٹ گھروں کی طرح ہیں اور ان میں سانپ بھرے ہوئے ہیں جو باہر سے نظر آتے ہیں، میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ (جو ایسے عذاب میں مبتلا ہیں) انہوں نے بتلایا کہ یہ سود خور لوگ ہیں۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) شبِ معراج میں رسول اللہ ﷺ کو عالمِ غیب کی بہت سی چیزوں کا مشاہدہ کرایا گیا۔ اسی ضمن میں جنت اور دوزخ کے بعض مناظر بھی دکھائے گئے تاکہ خود آپ ﷺ کو "حق الیقین" کے بعد "عین الیقین" کا مقام بھی حاصل ہو جائے اور آپ ﷺ ذاتی مشاہدہ کی بناء پر بھی لوگوں کو عذاب و ثواب سے آگاہ کر سکیں، اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے ایک منظر یہ بھی دیکھا جس کا اس حدیث میں ذکر ہے کہ کچھ لوگوں کے پیٹ اتنے بڑے ہیں جیسے کہ اچھا خاصا گھر اور ان میں سانپ بھرے ہوئے ہیں جو دیکھنے والوں کو باہر ہی سے نظر آتے ہیں اور آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر حضرت جبرئیل ؑ نے بتلایا کہ یہ سود لینے والے اور کھانے والے لوگ ہیں جو اس لرزہ خیز عذاب میں مبتلا کئے گئے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ کے اس مشاہدہ کو خود آپ ﷺ کی زبان مبارک سے سنا اور اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے بعد کے راویان حدیث کو ان کی محنت و عنایت کے طفیل میں حدیث کی مستند کتابوں کے ذریعہ یہ مشاہدہ ہم تک بھی پہنچ گیا۔ اللہ تعالےٰ ایسا یقین نصیب فرمائے کہ دِل کی آنکھوں سے یہ منظر ہم کو بھی نظر آئے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلرِّبٰوا سَبْعُوْنَ جُزْءً اَيْسَرُهَا اَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ اُمَّهٗ. (رواه ابن ماجه، والبيهقى فى شعب الايمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سود خوری کے ستر حصے ہیں ان میں سے ادنیٰ اور معمولی ایسا ہے کہ جیسے اپنی ماں کے ساتھ منہ کالا کرنا۔ (سنن ابن ماجہ، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس سلسلۂ معارف الحدیث میں بار بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ عربی محاورہ اور قرآن و حدیث کی زبان میں "سبعون" کا لفظ خاص معین عدد (۷۰) کے علاوہ کثرت اور بہتات کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے بلکہ اکثر اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بہر حال اس حدیث کا مدعا اور پیغام یہ ہے کہ سود خوری اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بھی بدرجہا زیادہ شدید و خبیث گناہ ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے صرف یہی وہ گناہ ہے جس سے باز نہ آنے والوں کے خلاف قرآنِ پاک میں

اللہ ورسول کی طرف سے اعلانِ جنگ کیا گیا ہے۔ (فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَ مُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَ شَاهِدَيْهِ وَ قَالَ هُمْ سَوَاءٌ. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی سود لینے اور کھانے والے پر اور سود دینے اور کھلانے والے پر اور سودی دستاویز لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ (گناہ کی شرکت میں) یہ سب برابر ہیں۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے اور عقل سلیم کے نزدیک بھی یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اصل خبیث اور موجب لعنت ظالمانہ گناہ سود لینا اور کھانا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے روایت کئے ہوئے اس ارشاد نبوی کا مقصد ومدعا یہ ہے کہ سودی کاروبار ایسا خبیث اور لعنتی کاروبار ہے کہ اس میں کسی طرح کی شرکت بھی لعنت الٰہی کا موجب ہے اس بناء پر سود دینے والا سودی دستاویز کا کاتب اور اس کے گواہ بھی لعنت میں حصہ دار ہیں۔ اس لئے جو خدا اور رسول کی لعنت اور ان کے غضب سے بچنا چاہے وہ اس کاروبار سے دور دور رہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْرَضَ اَحَدُكُمْ قَرْضًا فَاَهْدٰى اِلَيْهِ اَوْحَمَلَهٗ عَلَى الدَّابَّةِ فَلَا يَرْكَبْهُ وَلَا يَقْبَلْهَا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ جَرٰى بَيْنَهٗ وَ بَيْنَهٗ قَبْلَ ذٰالِكَ. (رواه ابن ماجه والبيهقى فى شعب الايمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی کسی کو قرض دے تو اگر وہ مقروض ومدیون آدمی قرض دینے والے کو کوئی چیز بطور ہدیہ دے یا سواری کے لئے اپنا جانور پیش کرے تو چاہئے کہ وہ اس کے ہدیہ کو قبول نہ کرے اور اس کے جانور کو سواری میں استعمال میں نہ کرے۔ اِلّا یہ کہ ان دونوں کے درمیان پہلے سے اس کا تعلق اور معاملہ ہوتا رہا ہو۔ (سنن ابن ماجہ وشعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) حدیث کا مدعا اور پیغام یہ ہے کہ سود کا معاملہ اتنا سنگین اور خطرناک ہے کہ اس کے ادنی شبہ سے بھی بچنا چاہیئے۔ جب کسی بندہ کو آدمی قرض دے تو اس کی پوری احتیاط کرے کہ اس قرض کی وجہ سے ذرہ برابر بھی دنیوی فائدہ حاصل نہ ہو اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی بچے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ اٰخِرَ مَا نَزَلَتْ اٰيَةُ الرِّبٰوا وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ قُبِضَ وَلَمْ يُفَسِّرْهَا لَنَا فَدَعُوا الرِّبٰوا وَالرِّيْبَةَ. (رواه ابن ماجة والدارمي)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؓ نے فرمایا کہ ربوا والی آیت (یعنی سورہ بقرہ کی جس آیت میں ربوا کی حرمت کا قطعی اعلان فرمایا گیا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی حیات کے) آخری دور میں نازل ہونے والی آیتوں میں سے ہے۔ حضور ﷺ اس دنیا سے اٹھا لئے گئے اور آپ ﷺ نے ہمارے لئے اس کی پوری تفسیر و تشریح نہیں فرمائی' لہذا ربوا کو بالکل چھوڑ دو اور اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی پرہیز کرو۔ (سنن ابن ماجہ 'مسند دارمی)

(تشریح) "ربوا" عربی زبان کا ایک عام معروف لفظ تھا جو نزول قرآن سے پہلے بھی بولا جاتا تھا اور وہاں کا ہر شخص اس کا مطلب سمجھتا تھا اور وہ وہی تھا جو اوپر تمہیدی سطروں میں بیان کیا گیا ہے اس لئے جب حرمت ربوا والی آیت نازل ہوئی تو وہاں سب نے اس سے یہی سمجھا کہ سودی کاروبار (جس کا وہاں رواج تھا) حرام قرار دے دیا گیا' اس میں نہ کسی کو کوئی شبہ ہوا اور نہ کسی شبہ کی گنجائش تھی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض ارشادات میں جو (آگے درج ہو رہے ہیں) خرید و فروخت کی بعض ایسی صورتوں کے بھی "ربوا" کے حکم میں ہونے کا اعلان فرمایا جن میں کسی پہلو سے ربوا کا شائبہ تھا اور جن کو وہاں پہلے "ربوا" نہیں کہا اور سمجھا جاتا تھا مگر اس سلسلہ کی ساری جزئیات رسول اللہ ﷺ نے بیان نہیں فرمائیں بلکہ جیسا کہ حکمت شریعت کا تقاضا تھا اصولی ہدایت فرمادی اور یہ کام امت کے مجتہدین اور فقہا کے لئے رہ گیا کہ وہ آپ کی دی ہوئی اصولی ہدایات کی روشنی میں جزئیات کے بارے میں فیصلہ کریں (تمام ابواب شریعت کا یہی حال ہے) لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو امت کے فقہا و مجتہدین کی صف اول میں ہیں ربوا کے بارے میں سخت وعیدوں سے ڈرتے اور لرزتے ہوئے یہ خواہش رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس باب (ربوا) کی وہ جزئیات بھی بیان فرما جاتے جو آپ ﷺ نے بیان نہیں فرمائیں اور جن کے بارے میں اب اجتہاد سے فیصلہ کرنا پڑے گا۔ اپنے اس انتہائی خدا ترسانہ اور محتاط نظر کی بناء پر انہوں نے اپنے اس ارشاد کے آخر میں فرمایا "فَدَعُوا الرِّبٰوا وَالرِّيْبَةَ" یعنی اب اہل ایمان کے لئے راہ عمل یہ ہے کہ وہ "ربوا" اور اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی اپنے کو بچائیں لیکن اس کے برعکس ہمارے زمانہ کے بعض دانشور مدعیان اجتہاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ "ربوا" کی حقیقت مشتبہ بلکہ نامعلوم ہے اور پھر اس کی بنیاد پر وہ سود کی بہت سی مروجہ صورتوں کا جواز نکالتے ہیں۔

"ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا"

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّبٰوا وَ اِنْ کَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَہٗ تَصِیْرُ اِلٰی قُلٍّ۔ (رواہ احمد، و ابن ماجہ والبیھقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سود اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے لیکن اس کا آخری انجام قلت اور کمی ہے۔

(مسند احمد، سنن ابن ماجہ، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اگر حدیث کے لفظ عاقبۃ سے اخروی انجام مراد لیا جائے تو ظاہر ہے کہ کسی صاحبِ ایمان کو اس میں شک شبہ نہیں ہوگا، عالم آخرت میں پہنچ کر ہم سب دیکھ لیں گے کہ جن لوگوں نے سود کے ذریعہ اپنی دولت میں اضافہ کیا اور یہاں وہ لکھ پتی کروڑ پتی ہوگئے، آخرت میں وہ بالکل مفلس کوڑی کوڑی کے محتاج ہوں گے اور ان کی وہ دولت ہی ان کے لئے وبال اور عذاب ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں اطلاع دی ہے۔ اور اگر حدیث کا مطلب یہ لیا جائے کہ سود کے ذریعہ دولت خواہ کتنی ہی بڑھ جائے لیکن آخر کار دنیا میں بھی اس پر زوال آئے گا تو ظاہر بینوں کو تو اس میں شک اور کلام ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جن کو حقائق دیکھنے والی نگاہ دی ہے انہیں اس میں بھی کوئی شک شبہ نہ ہوگا۔ بکثرت ایسے واقعات مشہور ہیں کہ ایک شخص سود کے ذریعہ اپنی دولت میں اضافہ کرتا رہا اور وہ اپنے وقت کا قارون بن گیا، پھر کبھی اس شخص کی زندگی ہی میں اور کبھی اس کے بعد کوئی ایسا حادثہ رونما ہوا اور ایسی کوئی آفت آئی جس نے سارا حساب برابر کر دیا اور کبھی کبھی تو وہ لکھ پتی اور کروڑ پتی دیوالیہ اور محتاج ہو کر رہ گیا۔ اور یہ بات سو فیصدی مشاہدہ اور تجربہ میں ہے کہ سود خور لوگ اس حقیقی راحت اور عزت واحترام سے یکسر محروم رہتے ہیں جو دولت کا اصل مقصد اور ثمرہ ہے، اس لحاظ سے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ کوئی سود خور سودی کاروبار کے ذریعہ خواہ کتنی ہی دولت پیدا کرلے وہ دولت کے حقیقی لطف ثمرہ سے ہمیشہ محروم ہی رہتا ہے، اس حساب سے وہ دولت مند ہونے کے باوجود مفلس اور تہی دست ہی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا" (ربا اور سود سے کمائی ہوئی دولت کو اللہ تعالیٰ برکت سے محروم رکھتا ہے اور اس پر دیر سویر بربادی آتی ہے) حضرت ابن مسعودؓ کی اس حدیث میں اسی ارشاد خداوندی کی ترجمانی کی گئی ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیَاْتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی اَحَدٌ اِلَّا اٰکِلُ الرِّبٰوا فَاِنْ لَّمْ یَاْکُلْہُ اَصَابَہٗ مِنْ بُخَارِہٖ (وَیُرْوٰی مِنْ غُبَارِہٖ)

(رواہ احمد و ابو داؤد والنسائی و ابن ماجۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ہر شخص سود کھانے والا ہوگا (کوئی بھی اس سے محفوظ نہ ہوگا اگر خود سود نہ بھی کھاتا ہوگا تو اس کے بخارات یا اس کا غبار ضرور اس کے اندر پہنچے گا۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس ارشاد سے حضور ﷺ کا مقصد مستقبل کے بارے میں صرف ایک پیشن گوئی کرنا نہیں ہے بلکہ اصل مقصد امت کو خبردار کرنا ہے کہ ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب سود کی وباء عام ہو جائے گی اور اس سے محفوظ رہنا بہت ہی دشوار ہوگا۔ لہٰذا چاہیئے کہ ہر صاحبِ ایمان اور صاحبِ تقویٰ اس بارے میں چوکنا رہے اور اپنے کو اس لعنت سے محفوظ رکھنے کی فکر اور کوشش کرتا رہے۔ یقیناً ہمارا زمانہ بھی وہی زمانہ ہے اللہ کے جو بندے سود کو لعنت سمجھتے اور بتوفیق خداوی اس سے پرہیز کرتے ہیں وہ بھی اپنا غذائی سامان یا پہننے کا کپڑا جن دکانداروں سے خریدتے ہیں ان کے کاروبار کا رشتہ بلاواسطہ یا بالواسطہ کسی نہ کسی سودی سلسلہ سے ضرور ہے' آج کل کسی کاروباری سلسلہ کا اس سے محفوظ رہنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا جنگل کے کسی درخت کا ہوا سے محفوظ رہنا۔ اللھم احفظنا۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ يَدًا بِيَدٍ فَاِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الْاَجْنَاسُ فَبِيْعُوْا كَيْفَ شِئْتُمْ اِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ. (رواہ مسلم)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سونے کی بیع سونے کے بدلے اور چاندی کی چاندی کے بدلے اور گیہوں کی گیہوں کے بدلے اور جو کی جو کے بدلے اور کھجوروں کی کھجوروں کے بدلے اور نمک کی نمک کے بدلے یکساں اور برابر اور دست بدست ہونی چاہیئے' اور جب اجناس مختلف ہوں تو جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ لین دین دست بدست ہو۔ (صحیح مسلم)

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ يَدًا بِيَدٍ فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰى اَلْاٰخِذُ وَالْمُعْطِىْ فِيْهِ سَوَاءٌ.

(رواہ مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی چاندی کے عوض اور گیہوں گیہوں کے عوض اور جو جَو کے عوض اور کھجوریں کھجوروں کے عوض دست بدست برابر سرابر بیچا خرید اجائے۔ جس نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا تو اس نے سود کا معاملہ کیا (اور وہ سود کے گناہ کا مرتکب ہوا) اس میں لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس مضمون کی حدیثیں اس حدیث کے راوی حضرت ابو سعید خدری کے علاوہ حضرت عمر' حضرت عبادہ بن صامت حضرت ابو بکرہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ اور بھی متعدد صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ ان کا مدعا اور مطلب یہ ہے کہ جن چھ چیزوں کا اس حدیث میں ذکر کیا ہے (یعنی سونا' چاندی' گیہوں' جو' کھجور' نمک) اگر ان میں سے کسی جنس کا اسی جنس سے تبادلہ کیا جائے (مثلاً گیہوں دے کر اس کے بدلے میں گیہوں لئے جائیں) تو یہ معاملہ جب جائز ہوگا جب برابر برابر اور دست بدست لیا جائے۔ اگر کمی بیشی ہوئی یا لین دین دست بدست (ہاتھ کے ہاتھ) نہ ہوا بلکہ قرض ادھار کی بات ہوئی تو جائز نہ ہوگا بلکہ یہ ایک طرح کا سود کا معاملہ ہو جائے گا اور دونوں فریق سود کے مرتکب اور گنہگار ہوں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں ان حدیثوں کی تشریح کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اور اس سے پہلے زمانہ جاہلیت میں جس ربا (سود) کا رواج تھا اور جس کو "ربا" کہا جاتا تھا وہ قرض ادھار والا ہی سود تھا جس کی صورت (جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا) یہ تھی کہ جو سرمایہ دار مہاجن سودی کاروبار کرتے تھے' ضرورت مند لوگ ان سے قرض لیتے تھے اور طے ہو جاتا تھا کہ اتنے اضافہ کے ساتھ فلاں وقت تک وہ یہ قرض ادا کر دیں گے' پھر اگر مقررہ معیاد پر وہ ادا نہ کر سکتے تو اور مہلت لے لیتے اور اس مہلت کے حساب میں سود کی رقم میں اور اضافہ ہوتا طے ہو جاتا (شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ) اس سودی کاروبار کا رواج تھا اور اسی کو "ربا" کہا جاتا تھا' قرآن مجید میں براہ راست اسی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے خرید و فروخت کی بعض صورتوں کے بھی ربوا کے حکم میں داخل ہونے کا اعلان فرمایا اور ان سے بھی بچنے کی تاکید فرمائی۔ ان حدیثوں میں اسی کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ اور مقصد و مدعا یہ ہے کہ جن چھ چیزوں کا مندرجہ بالا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے ان میں کسی جنس کا بھی اگر اسی جنس سے تبادلہ کیا جائے تو کسی طرف کمی بیشی نہ ہو بلکہ برابر برابر ہو اور لین دین ہاتھ کے ہاتھ ہو اگر تبادلہ میں کمی بیشی ہوئی یا لین دین ہاتھ کے ہاتھ نہ ہوا تو

یہ ربوا اور سود کی ایک قسم ہو گی اور دونوں فریق گنہگار ہوں گے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے معمول کے مطابق اس حکم کی جو حکمت بیان فرمائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تعیش اور "رفاہیت بالغہ" یعنی زیادہ بلند معیار اور رئیسانہ ٹھاٹ باٹ کی زندگی پسند نہیں فرماتا کیونکہ جو شخص بہت اونچے معیار کی تعیش کی زندگی گزارے گا وہ لازمی طور پر طلب دنیا میں زیادہ منہمک ہو گا اور آخرت کی زندگی کو بہتر بنانے اور روح کے تزکیہ کی فکر سے وہ اسی حساب سے غافل ہو گا' علاوہ ازیں معاشرہ میں زیادہ اونچ نیچ سے جو طرح طرح کے مفاسد پیدا ہوتے ہیں وہ بھی پیدا ہوں گے اور تعیش اور اعلیٰ معیار زندگی ہی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ہر چیز بڑھیا سے بڑھیا اور اعلیٰ معیار کی استعمال کی جائے' گیہوں اعلیٰ قسم ہی کا کھایا جائے' کھجوریں اعلیٰ قسم ہی کی کھائی جائیں' سونا اور چاندی اعلیٰ معیار ہی کی استعمال کی جائیں جس کی عملی صورت اکثر یہی ہوتی تھی کہ اگر اپنے پاس اعلیٰ درجہ کی چیز نہیں ہے بلکہ معمولی درجہ کی ہے تو وہ زیادہ مقدار میں دے کر ان کے بدلے میں اعلیٰ معیار کی تھوڑی مقدار میں لے لی جائے' بہر حال کمی بیشی کے ساتھ ایک جنس کا اسی جنس سے تبادلہ عموماً تعیش اور اعلیٰ معیار زندگی کے تقاضے سے ہی کیا جاتا تھا تو اس کی ممانعت کے ذریعہ اس کے راستہ میں رکاوٹ ڈالی گئی اور ایک حد تک اس کا سدباب کیا گیا۔ واللہ اعلم باسرار احکامہ۔

حدیث میں صرف مذکورہ بالا چھ چیزوں کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے لیکن امت کے فقہا مجتہدین کا اس پر قریباً اتفاق ہے کہ ان چھ چیزوں کے علاوہ بھی جو چیزیں اس نوعیت کی ہیں ان کا حکم بھی یہی ہے اگرچہ تفصیلات میں فقہا کی رایوں میں کچھ فرق واختلاف ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ جَاءَ بِلَالٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ بَرْنِيٍّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَيْنَ هٰذَا؟ قَالَ كَانَ عِنْدَنَا تَمْرٌ رَدِيٌّ فَبِعْتُ مِنْ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ فَقَالَ أَوَّهْ عَيْنُ الرِّبَا لَا تَفْعَلْ وَلٰكِنْ إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَشْتَرِيَ فَبِعِ التَّمْرَ بِبَيْعٍ آخَرَ ثُمَّ اشْتَرِ بِهِ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بہت اچھی قسم کی (برنی) کھجوریں لائے۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آئیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس گھٹیا قسم کی کھجوریں تھیں میں نے وہ دو صاع دے کر یہ برنی ایک صاع خرید لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا او ہو! یہ تو عین ربا ہوا' آئندہ ایسا کبھی نہ کرو' جب تم (کھجوروں سے) کھجوریں خریدنی چاہو تو پہلے اپنی کھجوریں بیچ دو۔ پھر ان کی

قیمت سے دوسری کھجوریں خرید لو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ (جو یقیناً اس سے ناواقف نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ربوا کو حرام قرار دے دیا ہے) انہوں نے جس طرح کھجوریں خریدی تھیں اس کو انہوں نے ربوا نہیں سمجھا تھا وہ "ربوا" قرض والے سود ہی کو سمجھتے تھے جس کو عام طور سے ربوا کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بتلایا کہ کمی بیشی کے ساتھ کھجوروں کا تبادلہ بھی ربوا کے حکم میں ہے 'بقول حضرت شاہ ولی اللہ قرض والا ربوا "حقیقی ربوا" ہے اور حضرت ابو سعیدؓ وغیرہ کی حدیثوں میں جس کو ربوا قرار دیا گیا ہے وہ "حکمی ربوا" ہے یعنی ربوا کے حکم میں ہے۔

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ مُعَاوِيَةَ بَاعَ سِقَايَةً مِنْ ذَهَبٍ اَوْ وَرِقٍ بِاَكْثَرَ مِنْ وَزْنِهَا فَقَالَ اَبُوالدَّرْدَاءِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْ مِثْلِ هٰذَا اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ مَا اَرٰى بِمِثْلِ هٰذَا بَاْسًا فَقَالَ اَبُوالدَّرْدَاءِ مَنْ يَّعْذِرُنِيْ مِنْ مُعَاوِيَةَ اَنَا اُخْبِرُهُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُخْبِرُنِيْ عَنْ رَاْيِهٖ لَا اُسَاكِنُكَ بِاَرْضٍ اَنْتَ بِهَا ثُمَّ قَدِمَ اَبُوالدَّرْدَاءِ عَلٰى عُمَرَ فَذَكَرَ لَهُ ذَالِكَ فَكَتَبَ عُمَرُ اِلٰى مُعَاوِيَةَ اَنْ لَا تَبِيْعَ ذَالِكَ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَزْنًا بِوَزْنٍ.

(رواه مالك فى الموطا والنسائى فى سننه)

عطا بن یسار تابعی سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضرت معاویہؓ نے سونے یا چاندی کا ایک پیالہ (یا جگ) اسی جنس کے اس سے زیادہ وزن کے عوض فروخت کیا' تو حضرت ابوالدرداء نے ان سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔ آپ ﷺ اس طرح کی بیع فروخت سے منع فرماتے تھے۔ الا یہ کہ برابر برابر ہو' تو حضرت معاویہ نے کہا میرے نزدیک تو اس میں کوئی مضائقہ اور گناہ کی بات نہیں ہے۔ حضرت ابوالدرداء نے (سخت رنجیدہ ہو کر) کہا کہ مجھے معاویہ کے بارے میں معذور سمجھا جائے۔ میں ان کو رسول اللہ ﷺ کا حکم بتاتا ہوں اور وہ مجھے اپنی رائے بتاتے ہیں۔ (اس کے بعد خود حضرت معاویہ سے کہا کہ) میں تمہارے ساتھ اس سرزمین میں نہیں رہوں گا' جہاں تم ہو گے۔ اس کے بعد حضرت ابوالدرداء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ آئے اور آپؓ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ اس طرح کی بیع فروخت نہ کرو' سونا' چاندی وغیرہ کا اسی جنس سے تبادلہ صرف اس صورت میں جائز ہے کہ دونوں طرف وزن یکساں اور برابر برابر ہو۔ (موطا امام مالک' سنن نسائی)

(تشریح) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت معاویہؓ علاقہ شام کے حاکم (گورنر) تھے، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا قیام بھی وہیں تھا۔ اسی زمانہ میں حضرت معاویہؓ نے سونے یا چاندی سے بنا ہوا پانی کا ایک برتن (پیالہ یا جگ) بطور قیمت اسی جنس سے وزن میں کچھ زیادہ لے کر فروخت کیا اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا، حضرت ابوالدرداء نے ان سے ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی بیع سے منع فرمایا ہے، حکم یہ ہے کہ سونے یا چاندی کی کوئی چیز اگر اسی جنس کے عوض بیچی یا خریدی جائے تو وزن میں کمی بیشی نہ ہونی چاہئے وزن برابر برابر ہونا چاہئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خیال غالباً یہ تھا کہ سونے یا چاندی سے بنی ہوئی چیز (زیور یا برتن) اگر فروخت کیا جائے تو بنوائی کی اجرت کا لحاظ کر کے کچھ زیادہ لینا ناجائز نہ ہوگا، اس بناء پر انہوں نے کہا کہ "میرے نزدیک تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے۔"

لیکن حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہؓ کی یہ بات سخت ناگوار ہوئی کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ سے جو کچھ سنا تھا وہ اس کی روشنی میں اس رائے یا اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں سمجھتے تھے۔ بہر حال وہ ناراض ہو کر وہاں کی سکونت ترک کر کے مدینہ چلے آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے واقعہ بیان کیا، آپؓ نے حضرت معاویہ کو لکھا کہ شرعی حکم وہی ہے جو ابوالدرداء نے بتلایا لہٰذا ایسی خرید و فروخت نہ کی جائے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ربا (سود) کی اس دوسری قسم (ربائے حکمی) کے بارے میں بھی صحابہ کرام میں کتنی شدت تھی اور اس بارے میں کسی کی اجتہادی غلطی بھی ان کے لئے قابل برداشت نہیں تھی۔

خرید و فروخت کے متعلق احکامات

پھلوں کی فصل تیاری سے پہلے نہ بیچی، خریدی جائے:

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُشْتَرِيَ. (رواه البخاری و مسلم)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ نَهٰى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتّٰى تَزْهُوَ وَعَنِ السُّنْبُلِ حَتّٰى يَبْيَضَّ وَيَأْمَنَ الْعَاهَةَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا پھلوں کی بیع سے اس وقت تک کہ ان میں پختگی آجائے۔" آپ ﷺ نے بیچنے والے کو بھی منع فرمایا اور خریدنے والے کو بھی۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

اور اسی حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے منع فرمایا کھجوروں کی فصل کی بیع سے جب تک ان پر سرخی نہ آجائے اور کھیت کی بالوں کی بیع سے جب تک ان پر سفیدی نہ آجائے اور تباہی کا خطرہ نہ رہے۔

(تشریح) جس طرح ہمارے ملک اور ہمارے علاقوں میں آم کے باغوں کی فصل آم تیار ہونے سے پہلے بہت پہلے بھی فروخت کردی جاتی ہے اسی طرح مدینہ منورہ وغیرہ عرب کے پیداواری علاقوں میں کھجور یا انگور کے باغات اور درختوں کے پھل تیاری سے پہلے فروخت کردیے جاتے تھے اور کھیتوں میں پیدا ہونے والا غلہ بھی تیاری سے پہلے فروخت کردیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی۔ کیونکہ اس میں خطرہ اور امکان ہے کہ فصل پر کوئی آفت آجائے مثلاً تیز آندھیاں یا آسمان سے گرنے والے اولے غلہ کو یا پھلوں کو ضائع کردیں یا ان میں کوئی خرابی اور بیماری پیدا ہوجائے تو بے چارے خریدنے والے کو بہت نقصان پہنچ جائے گا، پھر اس کا بھی خطرہ ہے کہ قیمت کی ادائیگی کے بارے میں فریقین میں نزاع اور جھگڑا پیدا ہو۔ بہرحال اس بیع فروخت میں یہ کھلے ہوئے مفاسد اور خطرات ہیں۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی۔ آگے درج ہونے والی حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى تُزْهِيَ، قِيْلَ

وَمَا تُزْهِيَ؟ قَالَ حَتّٰى يَحْمَرَّ وَقَالَ اَرَاَيْتَ اِذَا مَنَعَ اللّٰهُ الثَّمَرَةَ بِمَا يَاْخُذُ اَحَدُكُمْ مَالَ اَخِيْهِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا تھا تا آنکہ ان پر رونق آجائے' عرض کیا گیا کہ رونق آجانے سے کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ سرخی آجائے۔ (اس کے بعد) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ پھل عطا نہ فرمائے (یعنی بحکم خداوندی کسی آفت سے پھل تیار ہونے سے پہلے ضائع ہوجائیں) تو بیچنے والا کس چیز کے عوض میں (خریدنے والے) اپنے بھائی سے مال وصول کرے گا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(تشریح) علماء نے لکھا ہے کہ اگر پھل میں ایسا نقصان ہوگیا ہے کہ خریدار کو کچھ بھی نہیں بچا' سب برباد ہوگیا تو باغ فروخت کرنے والے کو چاہیئے کہ قیمت بالکل نہ لے اور لے چکا ہے تو واپس کردے اور اگر نہیں بلکہ کچھ نقصان ہوگیا ہے تو اس کا لحاظ کر کے قیمت میں تخفیف اور کمی کردے۔ ان احکام کی روح یہ ہے کہ ہر ایک کی خیر خواہی اور مناسب حد تک ہر ایک کے مفاد کی حفاظت کی جائے۔

چند سالوں کے لئے باغوں کی فصل کا ٹھیکہ نہ دیا جائے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ السِّنِيْنَ وَاَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا (باغ کو) چند سالوں کے واسطے فروخت کرنے سے اور آپ ﷺ نے حکم دیا ناگہانی آفات (کے نقصان) کو وضع کردینے کا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) باغ کی فصل کئی سال کے لئے فروخت کرنے سے اسی لئے منع فرمایا گیا کہ معلوم نہیں کہ پھل آئے گا بھی یا نہیں' اور باقی رہے گا یا خدانخواستہ کسی ناگہانی حادثہ کا شکار ہوجائے گا۔ ایسی صورت میں بے چارے خریدار کو سخت نقصان پہنچے گا اور وہ قیمت ادا کرنا نہ چاہے گا جس سے نزاع اور جھگڑا پیدا ہوگا جو سو خرابیوں کی جڑ ہے۔ دوسرا حکم اس حدیث میں یہ دیا گیا کہ اگر باغ کی فصل فروخت کی گئی اور پھلوں پر کوئی آفت آگئی تو باغ کے مالک کو چاہیئے کہ نقصان کا لحاظ کر کے قیمت میں کمی اور تخفیف کردے۔

ظاہر ہے کہ ان سب احکام کا مقصد اہلِ معاملہ کی خیر خواہی اور ان کو باہمی اختلاف و نزاع سے بچانا اور ایک دوسرے کی ہمدردی اور غم خواری اور ایثار و قربانی کا عادی بنانا ہے۔

جو چیز فی الحال اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع نہ کی جائے:

کاروباری دنیا میں حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی ہوتا تھا اور ہمارے زمانہ میں بھی ہوتا ہے کہ تاجر کے پاس ایک چیز موجود نہیں ہے لیکن اس کے طالب خریدار سے وہ اس کا سودا اس امید پر کر لیتا ہے کہ میں کہیں سے خرید کر اس کو دے دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کی بیع سے بھی منع فرمایا ہے کیونکہ اس کا امکان ہے کہ وہ چیز فراہم نہ ہو سکے یا فراہم ہو جائے مگر خریدار اس کو پسند نہ کرے اس صورت میں فریقین میں نزاع اور جھگڑا ہو سکتا ہے۔

عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ نَهَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَبِيعَ مَا لَيْسَ عِنْدِي. (رواه الترمذی)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس سے منع فرمایا کہ جو چیز میرے پاس موجود نہیں ہے میں اس کی بیع فروخت کا کسی سے معاملہ کروں (جامع ترمذی)

(تشریح) یہ حکیم بن حزام ایک دولت مند تاجر تھے، سنن نسائی اور سنن ابی داؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ بعض اوقات کسی چیز کا خریدار میرے پاس آتا ہے اور وہ چیز میرے پاس موجود نہیں ہوتی تو میں اس سے معاملہ کر لیتا ہوں اور بازار سے وہی چیز خرید کے اس کو دے دیتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو چیز تمہارے پاس موجود نہیں ہے اس کی بیع فروخت نہ کرو۔

اگر غلہ وغیرہ خریدا جائے تو اُٹھا لینے سے پہلے اُسکو فروخت نہ کیا جائے:

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص غلہ (وغیرہ) خریدے تو جب تک اس کو اپنے قبضہ میں نہ لے لے اس وقت تک کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت نہ کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حکم کا مقصد بھی یہی ہے کہ کوئی جھگڑا نہ پیدا نہ ہو۔ اس حدیث میں اگرچہ صرف طعام (یعنی غلہ) کا ذکر ہے لیکن تمام اموال منقولہ کا یہی حکم ہے۔

مضطر (سخت ضرورت مند) سے خرید و فروخت کی ممانعت:

بعض اوقات آدمی فقر و فاقہ یا کسی حادثہ کی وجہ سے یا کسی ناگہانی پریشانی میں گھر جانے کی وجہ سے اپنی کوئی چیز بیچنے کے لئے یا کھانا وغیرہ کوئی چیز خریدنے کے لئے سخت مجبور اور "مضطر" ہوتا ہے۔ ایسے وقت بے درد تاجر اس شخص کی مجبوری اور اضطراری حالت سے ناجائز فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث میں اسی کو "بیع مضطر" کہا گیا ہے اور اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّ وَعَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ قَبْلَ اَنْ تُدْرِكَ (رواه ابو داؤد)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا "مضطر" کی خرید و فروخت سے اور ایسی چیز کی بیع سے جس کا ملنا یقینی نہ ہو اور پھلوں کی تیاری سے پہلے ان کی بیع فروخت سے۔" (سنن ابی داؤد)

(تشریح) "مضطر کی بیع" کی تشریح اوپر کی جاچکی ہے' اس کی ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ ایسے مجبور و مضطر آدمی سے خرید و فروخت کا تاجرانہ معاملہ نہ کیا جائے بلکہ اس بھائی کی خدمت اور اعانت کی جائے۔ دوسری چیز جس سے اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے "بیع غرر" ہے یعنی ایسی چیز کی بیع جو فروخت کرنے والے کے ہاتھ میں نہیں ہے اور اس کا ملنا یقینی نہیں ہے' جیسے کہ کوئی جنگل کے ہرن کی یا کسی پرندکی یا دریا کی مچھلی کی اس امید پر بیع کرے کہ شکار کر کے فراہم کردوں گا۔ یہ "بیع غرر" ہے اور اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے' کیونکہ بیچی جانے والی چیز نہ بائع کے پاس موجود ہے اور نہ اس کا ملنا یقینی ہے اور مل بھی جائے تو نوعیت کے بارے میں نزع و اختلاف کا خطرہ ہے۔ تیسری چیز جس کی اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے تیار ہونے سے پہلے پھلوں کی فصل کی فروخت ہے۔ اس کی تشریح اوپر کی جاچکی ہے۔

فروختنی چیز کا عیب چھپانے کی سخت ممانعت اور وعید:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى صُبْرَةِ طَعَامٍ فَاَدْخَلَ يَدَهٗ فِيْهَا فَنَالَتْ اَصَابِعُهٗ بَلَلًا فَقَالَ مَا هٰذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟ فَقَالَ اَصَابَتْهُ السَّمَاءُ

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ اَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتّٰى يَرَاهُ النَّاسُ' مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا.
(رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غلہ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے (جو ایک دکاندار کا تھا) آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس ڈھیر کے اندر داخل کردیا تو آپ ﷺ کی انگلیوں نے گیلا پن محسوس کیا' آپ ﷺ نے اس غلہ فروش دکاندار سے فرمایا کہ (تمہارے ڈھیر کے اندر) یہ تری و گیل کیسی ہے؟ اس نے عرض کیا یارسول اللہ غلہ پر بارش کی بوندیں پڑ گئی تھیں (تو میں نے اوپر کا بھیگ جانے والا غلہ نیچے کردیا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس بھیگے ہوئے غلہ کو تم نے ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں رہنے دیا تاکہ خریدنے والے لوگ اس کو دیکھ سکتے۔ (سن لو) جو آدمی دھوکے بازی کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اور طبرانی نے معجم کبیر و معجم صغیر میں یہی واقعہ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ "وَالْمَكْرُ وَالْخِدَاعُ فِي النَّارِ" (یعنی اس طرح کی دغابازی اور فریب کا انجام جہنم ہے) اللھم احفظنا!

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ بَاعَ عَيْبًا وَلَمْ يُنَبِّهْ لَمْ يَزَلْ فِيْ مَقْتِ اللّٰهِ اَوْلَمْ تَزَلِ الْمَلٰئِكَةُ تَلْعَنُهُ. (رواہ ابن ماجه)

حضرت واثلہ بن الاسقع سے روایت ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ جس شخص نے کوئی عیب والی چیز کسی کے ہاتھ فروخت کی اور خریدار کو وہ عیب بتلا نہیں دیا تو اس پر ہمیشہ کا عذاب رہے گا... یا آپ ﷺ نے یہ فرمایا... کہ اللہ کے فرشتے ہمیشہ اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) بعض اوقات حدیث کے کسی راوی کو حضور ﷺ کے الفاظ کے بارے میں شبہ ہو جاتا ہے تو ازراہِ احتیاط وہ روایت کے وقت اس شبہ کو ظاہر کردیتا ہے۔ اس حدیث کی روایت میں بھی راوی کو شک ہو گیا ہے کہ حضور ﷺ نے "لَمْ يَزَلْ فِيْ مَقْتِ اللّٰهِ" فرمایا تھا' یا "لَمْ تَزَلِ الْمَلٰئِكَةُ تَلْعَنُهُ" فرمایا تھا۔ حدیث کے ترجمہ میں اس شک کو ظاہر کردیا گیا ہے۔

بیچنے والے یا خریدنے والے کی ناواقفی سے ناجائز فائدہ اُٹھانے اور ہر طرح کے دھوکے فریب کی ممانعت:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلَقَّوا الْجَلَبَ فَمَنْ تَلَقَّاهُ فَاشْتَرٰى مِنْهُ فَاِذَا اَتٰى سَيِّدُهُ السُّوْقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غلہ وغیرہ لانے والے قافلہ سے مال خریدنے کے لئے آگے جاکے نہ ملو، جس تاجر نے آگے جاکر راستہ ہی میں سودا کیا اور خرید لیا تو مال کا مالک جب بازار پہنچے تو اس کو اختیار ہوگا (کہ چاہے تو وہ معاملہ فسخ کردے) (صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ لوگ غلہ وغیرہ ضروریات کی چیزیں باہر سے لاکر شہروں کے بازاروں میں فروخت کرتے تھے اور یہ چھوٹے چھوٹے قافلوں کی شکل میں آتے تھے، (ان تجارتی قافلوں کو "جلب" کہا جاتا تھا) چالاک تاجر ایسا کرتے تھے کہ بازار اور منڈی پہنچنے سے بہت پہلے راستہ ہی میں ان کے پاس پہنچ کر مال کا سودا کر لیتے تھے اس میں اس کا بہت امکان ہوتا تھا کہ بازار کے بھاؤ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے باہر سے مال لانے والے اپنا مال ان تاجروں کے ہاتھ سستے داموں بیچ دیں اور اس سے ان کو نقصان پہنچے۔ اور اس سے بڑی دوسری خرابی اس طریقہ میں یہ تھی کہ باہر سے آنے والا سارا غلہ اور دیگر سامان ان چالاک سرمایہ دار تاجروں کے ہاتھ میں چلا جاتا تھا پھر یہ اس کو عام صارفین کے ہاتھ من مانے داموں پر بیچتے اور زیادہ سے زیادہ نفع کماتے۔ اگر مال بازار میں آکر بکتا تو لانے والوں کو بھی مناسب قیمت ملتی اور عام ضرورت مند بھی مناسب داموں پر خرید سکتے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ہدایت فرمائی کہ غلہ وغیرہ لانے والوں سے بازار پہنچنے سے پہلے راستے میں جاکر خریداری نہ کی جائے اور اگر اس طرح کسی نے کوئی سودا کیا تو مال لانے والا اگر بازار پہنچ کر محسوس کرے کہ بازار کے بھاؤ سے بے خبری کی وجہ سے اسکو دھوکا اور نقصان ہوگیا تو اسکو معاملہ فسخ کردینے کا اختیار ہے۔

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلَقَّوا الرُّكْبَانَ لِبَيْعٍ وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَا تُصَرُّوْا الْاِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدَ ذَالِكَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ اَنْ يَّحْلِبَهَا اِنْ رَضِيَهَا اَمْسَكَهَا وَاِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ غلہ وغیرہ لانے والے قافلہ والوں سے مال خریدنے کے لئے آگے جاکے نہ ملو، اور تم میں سے کوئی اپنے دوسرے بھائی کے بیع کے معاملہ میں اپنے معاملہ بیع سے مداخلت نہ کرے اور (کسی سودے کے نمائشی خریدار بن کر اس کی قیمت بڑھانے کا کام نہ کرو، اور شہری تاجر بدویوں کا مال اپنے پاس رکھ کر بیچنے کا کام نہ کریں۔ اور (بیچنے کے لئے) اونٹنی یا بکری کے تھنوں میں دودھ جمع نہ کرو۔ اگر کسی نے ایسی اونٹنی یا بکری خریدی تو اس کا دودھ دوہنے کے بعد اس کو اختیار ہے اگر

پسند ہو تو اپنے پاس رکھے اور اگر ناپسند ہو تو واپس کردے اور (جانور کے مالک کو) ایک صاع (قریباً ۴ سیر) کھجوریں بھی دے دے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں تجارت اور خرید و فروخت سے متعلق چند ہدایتیں دی گئی ہیں پہلی ہدایت تو وہی ہے جو اس سے اوپر والی حدیث میں دی گئی تھی کہ غلہ وغیرہ ضروریات باہر سے لانے والے تجارتی قافلوں سے بازار اور منڈی میں ان کے پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں جاکر ان سے مال نہ خریدا جائے بلکہ جب وہ بازار اور منڈی میں مال لے آئیں تو ان سے خرید و فروخت کا معاملہ کیا جائے۔ اس ہدایت کی حکمت اور مصلحت بھی لکھی جاچکی ہے۔

دوسری ہدایت کے الفاظ یہ ہیں "وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی خریدار ایک دکاندار سے کوئی چیز خرید رہا ہے تو دوسرے دکاندار کو نہ چاہیئے کہ وہ معاملہ میں مداخلت کرے اور خریدار سے کہے کہ یہی چیز تم مجھ سے خرید لو' ظاہر ہے کہ اس سے دکانداروں میں باہم عداوت اور ایک دوسرے کی بدخواہی پیدا ہوگی جو شر و فساد کی جڑ ہے۔

تیسری ہدایت کے الفاظ ہیں "وَلَا تَنَاجَشُوْا" بازار کی دنیا میں یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی دکاندار سے کوئی چیز خریدنے کی بات چیت کر رہا ہے تو کوئی صاحب اسی چیز کے صرف نمائشی خریدار بن کے کھڑے ہوگئے اور زیادہ قیمت لگادی تاکہ جو اصلی اور واقعی خریدار ہے وہ زیادہ قیمت دینے پر آمادہ ہو جائے' ظاہر ہے کہ بے چارے خریدار کے ساتھ یہ ایک طرح کا فریب ہے "لَا تَنَاجَشُوْا" میں اسی کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

چوتھی ہدایت کے الفاظ ہیں "لَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ" اس کا مطلب یہ ہے کہ شہر کے تاجروں کو چاہیئے کہ دیہات کے لوگ جو سامان غلہ وغیرہ فروخت کرنے کے لئے لائیں تو ان کا وہ مال اپنے پاس اس غرض سے نہ رکھیں کہ جب دام زیادہ اٹھیں گے اس وقت فروخت کریں گے' بلکہ دیہات کے لوگ جب مال لائیں تو اس کو فروخت ہو جانا چاہیئے۔ اس صورت میں ان اشیاء کی قلت نہیں ہوگی' عوام کے لئے قیمتیں نہیں چڑھیں گی اور گرانی نہیں بڑھے گی۔ اور دیہات سے مال لانے والوں کو جبکہ دن کے دن اور ہاتھ کے ہاتھ اپنے مال کی قیمت مل جائے گی تو جلد ہی وہ بازار میں دوسرا مال لاسکیں گے اس طرح ان کی تجارت بڑھ جائے گی اور نفع بھی بڑھے گا۔

پانچویں اور آخری ہدایت ہے "لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ الخ" اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا نہ کرے کہ جب اس کو اپنا دودھ دینے والا جانور (اونٹنی' بکری وغیرہ) بیچنا ہو تو ایک دو وقت پہلے سے اس کا دودھ دوہنا چھوڑ دے تاکہ خریدار اس کے بھرے ہوئے تھن دیکھ کر سمجھے کہ جانور

بہت دودھ دینے والا ہے اور زیادہ قیمت میں خرید لے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک طرح کا دھوکا فریب ہے۔ آگے اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی نے ایسا جانور خریدا تو اس کو اختیار ہے کہ اپنے گھر پر دوہنے کے بعد اگر جانور کو ناپسند کرے تو واپس کر دے اور پسند کرے تو اپنے پاس رکھ لے۔ اور واپس کرنے کی صورت میں ایک صاع (قریباً ۴ سیر) کھجوریں بھی جانور کے مالک کو پیش کر دے۔ صحیح مسلم کی اس حدیث کی روایت میں الفاظ ہیں "فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ" جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا جانور خریدنے والے کو تین دن تک واپسی کا اختیار رہے گا۔ (اس کے بعد واپسی کا حق نہ ہوگا۔) نیز "مسلم" کی اس روایت میں "صَاعًا مِنْ تَمْرٍ" کے بجائے "صَاعًا مِنْ طَعَامٍ لَا سَمْرَاءَ" کے الفاظ ہیں' ان کی بناء پر ایک صاع کھجوروں کی جگہ گیہوں کے علاوہ ایک صاع کوئی غلہ (جو وغیرہ) دینا بھی صحیح ہوگا۔ جانور کی واپسی کی صورت میں اس کے مالک کو ایک صاع کھجور وغیرہ پیش کرنے کی ہدایت کی حکمت و مصلحت شاید یہ ہو کہ خریدنے والے نے ایک دن یا دو دن یا تین دن (جب تک جانور کو اپنے پاس رکھا) اس کا دودھ دوہا اور استعمال کیا' ساتھ ہی اس کے کھلانے پلانے پر خرچ بھی کیا' اس طرح حساب گویا برابر ہو گیا۔ پھر بھی جو کسر رہی ہو اور واپسی سے جانور کے مالک کی جو دل شکنی ہوئی ہو اس کی مکافات اور واپسی کے معاملہ کی ناخوشگواری ختم کرنے یا کم کرنے کے لئے یہ ہدایت دی گئی ہو۔ واللہ اعلم۔

نیلام کے طریقہ پر خرید و فروخت:

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاعَ حِلْسًا وَقَدَحًا فَقَالَ مَنْ يَشْتَرِىْ هٰذَا الْحِلْسَ وَالْقَدَحَ فَقَالَ رَجُلٌ اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّزِيْدُ عَلٰى دِرْهَمٍ فَاَعْطَاهُ رَجُلٌ دِرْهَمَيْنِ فَبَاعَهُمَا مِنْهُ.

(رواه الترمذى و ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (بچھانے کا) ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ اس طرح فروخت کیا کہ آپ نے (مجلس کے حاضرین کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ یہ ٹاٹ اور پیالہ کون خریدنا چاہتا ہے (وہ بولی بولے) ایک شخص نے عرض کیا کہ میں یہ دونوں چیزیں ایک درہم میں لے سکتا ہوں'...... آپ نے فرمایا کون ایک درہم سے زیادہ دینے کو تیار ہے؟ تو ایک دوسرے صاحب نے آپ کو دو درہم پیش کر دیئے تو آپ نے وہ دونوں چیزیں ان کے ہاتھ بیچ دیں۔ (جامع ترمذی' سنن ابی داؤد' سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیلام کے طریقہ پر خرید و فروخت جائز ہے اور خود آنحضرت ﷺ نے ایسا کیا ہے۔ نیلام کے جس واقعہ کا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ذکر ہے وہ پوری تفصیل کے ساتھ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ کی روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے...... کہ ایک نہایت مفلس اور مفلوک الحال انصاری صحابی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی حاجت مندی کا حال بیان کیا اور آپ ﷺ سے امداد و اعانت کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے (یہ دیکھ کر کہ وہ محنت کر کے کمانے کے قابل ہیں) ان سے پوچھا کہ تمہارے گھر میں کچھ سامان ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ کچھ بھی نہیں ہے بس ایک ٹاٹ ہے جس کا کچھ حصہ ہم (بطور فرش کے) بچھا لیتے ہیں اور کچھ حصہ اوڑھ لیتے ہیں اور اس کے علاوہ بس ایک پیالہ ہے جو پانی پینے کے کام آتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں لے آؤ' وہ لے آئے' آپ ﷺ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں بکتی ہیں' آپ لوگوں میں سے کون ان کا خریدار ہے۔" ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں ایک درہم میں دونوں چیزیں لے سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "من یزید" (یعنی جو کوئی اس سے زیادہ قیمت میں خریدنے والا ہو' وہ بولے!) ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ یہ بات آپ ﷺ نے ۲۔۳ دفعہ فرمائی تو ایک صاحب نے دو درہم نکال کر حضور ﷺ کو پیش کر دیئے تو آپ ﷺ نے دونوں چیزیں ان کو دے دیں۔ اور جو دو درہم انہوں نے دیئے تھے وہ آپ ﷺ نے ان انصاری صحابی کو دیئے اور فرمایا کہ ان میں سے ایک درہم کا تو کھانے پینے کا کچھ سامان خرید کے اپنے گھر والوں کو دے دو اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی خرید کے میرے پاس لے آؤ' انہوں نے ایسا ہی کیا اور کلہاڑی خرید کے حضور ﷺ کی خدمت میں لے آئے' آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس میں لکڑی کا دستہ لگایا اور ان سے کہا کہ یہ کلہاڑی لے کے جنگل نکل جاؤ' لکڑیاں لاؤ اور بیچو! حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو یہ بھی تاکید فرمائی کہ اب ۱۵ دن تک ہرگز میرے پاس نہ آؤ (یعنی زیادہ سے زیادہ وقت محنت اور کمائی ہی میں صرف کرو) انہوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ اس محنت اور کمائی کے نتیجہ میں ان کے پاس دس درہم جمع ہو گئے اس سے انہوں نے گھر والوں کے لئے غذائی سامان اور کچھ کپڑا وغیرہ خریدا اس کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ یہ محنت کر کے گزارا کرنا تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ سائل بن کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ اور قیامت میں تمہارے چہرے پر اس کا داغ اور نشان ہو۔

اس حدیث میں امت کے لئے کتنی عظیم رہنمائی ہے کاش ہم اس سے سبق لیتے۔

زیادہ نفع کمانے کے لئے ذخیرہ اندوزی کی ممانعت:

جس طرح ہمارے زمانہ میں بہت سے تاجر غلہ وغیرہ ضروریات زندگی کی ذخیرہ اندوزی کر کے مصنوعی قلت پیدا کر دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں مہنگائی اور گرانی بڑھ جاتی ہے اور عام صارفین پر بوجھ پڑتا ہے اور ان کے لئے گزارہ دشوار ہو جاتا ہے' اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی کچھ تاجر ایسا کرتے تھے (اور غالباً اس کو کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے) لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کو سختی سے منع فرمایا اور گناہ قرار دیا۔ عربی زبان میں اس کو "احتکار" کہا جاتا ہے۔

عَنْ مَعْمَرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ

(رواہ مسلم)

حضرت معمر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو تاجر احتکار کرے (یعنی غلہ وغیرہ ضروریات زندگی کا ذخیرہ عوام کی ضرورت کے باوجود مہنگائی کے لئے محفوظ رکھے) وہ خطاکار گنہگار ہے۔ (صحیح مسلم)

عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ.

(رواہ ابن ماجہ والدارمی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جالب (یعنی غلہ وغیرہ باہر سے لاکر بازار میں بیچنے والا تاجر) مرزوق ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اسکے رزق کا کفیل ہے) اور محتکر (یعنی مہنگائی کیلئے ذخیرہ اندوزی کرنے والا) ملعون ہے (یعنی اللہ کی طرف سے پھٹکارا ہوا اور اس کی رحمت و برکت سے محروم ہے) (سنن ابن ماجہ' مسند دارمی)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا رُخ یہ ہے کہ معاشی نظام ایسا ہو جس میں عوام خاص کر غربا یعنی کم آمدنی والوں کو زندگی گزارنا دشوار نہ ہو' تجارت پیشہ اور دولت مند طبقہ زیادہ نفع اندوزی اور اپنی دولت میں اضافہ کے بجائے عوام کی سہولت کو پیش نظر رکھے اور اس مقصد کے لئے کم نفع پر قناعت کر کے اللہ کی رضا و رحمت اور آخرت کا اجر حاصل کرے۔ اگر ایمان یقین نصیب ہو تو بلاشبہ یہ تجارت بڑی نفع بخش ہے۔

تسعیر' یعنی قیمتوں پر کنٹرول کا مسئلہ:

کبھی حالات کا تقاضا ہوتا ہے کہ غذا جیسی ضروری اشیاء کی قیمتوں پر حکومت کی طرف سے یا کسی بااختیار ادارہ کی طرف سے کنٹرول کیا جائے اور تاجروں کو من مانے طریقہ پر زیادہ نفع خوری

کی اجازت نہ دی جائے' تاکہ عوام خاص کر غربا کو زیادہ تکلیف نہ پہنچے۔ اسی کو عربی زبان میں تسعیر کہا جاتا ہے۔ یہاں اسی سے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد درج کیا جارہا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ غَلَا السِّعْرُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَعِّرْ لَنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَ اِنِّىْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَلْقٰى رَبِّىْ وَلَيْسَ اَحَدٌ مِنْكُمْ يَطْلُبُنِىْ بِمَظْلَمَةٍ بِدَمٍ وَّلَا مَالٍ.

(رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ والدارمی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک دفعہ) مہنگائی بڑھ گئی' تو لوگوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت (ﷺ) آپ نرخ مقرر فرمادیں (اور تاجروں کو اس کا پابند کردیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ نرخ کم و بیش کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے' وہی تنگی یا فراخی کرنے والا ہے' وہی سب کا روزی رساں ہے اور میں اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملوں کہ کوئی مجھ سے جان و مال کے ظلم اور حق تلفی کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو۔ (جامع ترمذی' سنن ابی داؤد' سنن ابن ماجہ' مسند دارمی)

(تشریح) اس حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بعض صحابہ کی طرف سے مہنگائی کی شکایت اور تسعیر (یعنی قیمتوں پر کنٹرول) کی درخواست کرنے کے باوجود اپنے لئے اس کو مناسب نہیں سمجھا اور اندیشہ ظاہر فرمایا کہ اس طرح کے حکم سے کسی پر زیادتی اور کسی کی حق تلفی نہ ہو جائے۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ غلہ وغیرہ کی گرانی اور مہنگائی کبھی قحط اور پیداوار کی کمی جیسے قدرتی اسباب کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی تاجر اور کاروباری لوگ زیادہ نفع کمانے کے لئے مصنوعی قلت کی صورت پیدا کر کے قیمتیں بڑھادیتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں حضور ﷺ کا جو جواب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی گرانی قدرتی اسباب کی پیدا کی ہوئی تھی' تاجروں کی نفع اندوزی کا اس میں دخل نہیں تھا اس لئے آپ ﷺ نے کنٹرول نافذ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور آپ ﷺ کو خطرہ ہوا کہ تاجروں پر زیادتی نہ ہو جائے۔ اس سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر حاکم وقت یقین کے ساتھ محسوس کرے کہ تاجروں کی طرف سے عام صارفوں پر زیادتی ہو رہی ہے اور افہام تفہیم اور نصیحت سے تاجر اپنے رویہ کی اصلاح نہیں کرتے تو وہ قیمتیں مقرر کر کے کنٹرول نافذ کرسکتا ہے۔ بقول حضرت شاہ ولی اللہؒ تاجروں کو

ظالمانہ نفع اندوزی کی چھوٹ دینا توفساد فی الارض اور اللہ کی مخلوق پر تباہی لانا ہے۔[۱] ......
لیکن بہر حال حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا مقتضی یہی ہے کہ حتی الوسع اس سے بچا جائے اور یہ قدم اسی وقت اُٹھایا جائے جب تاجروں کی طرف سے نفع اندوزی کے جذبہ کے تحت عوام کے ساتھ کھلی زیادتی ہو رہی ہو اور تسعیر کی کارروائی ناگزیر ہو جائے۔

امام مالک نے مؤطا میں حضرت سعید بن المسیب تابعی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے بازار میں حاطب بن ابی بلتعہ صحابی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ خشک انگور (یعنی منقی) ایسے نرخ پر فروخت کر رہے ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک نامناسب حد تک گراں ہے، تو آپ نے ان سے فرمایا:

اما ان تزید فی سعروا اما ان ترفع من سوقنا[۲]	یا تو تم بھاؤ بڑھاؤ (یعنی قیمت مناسب حد تک کم کرو) اور یا پھر اپنا مال ہمارے بازار سے اُٹھالو۔

شریعت کے عام قواعد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر ہی کی روشنی میں علماء محققین نے یہ رائے قائم کی ہے کہ اگر حالات کا تقاضا ہو تو عوام کو تاجروں کے استحصال سے بچانے کے لئے حکومت کی طرف سے ضروری اشیاء کی قیمتیں مقرر کر دینی چاہئیں اور کنٹرول نافذ کر دینا چاہئے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی اپنے بعض رسائل میں یہی رائے ظاہر کی ہے۔

خرید و فروخت کا معاملہ فسخ کرنے کا اختیار:

خرید و فروخت کے معاملہ میں اگر دونوں فریق (بیچنے والا اور خریدنے والا) یا دونوں میں سے کوئی ایک یہ شرط کر لے کہ ایک دن یا دو تین دن تک مجھے اختیار ہو گا کہ میں چاہوں تو اس معاملہ کو فسخ کر دوں، تو شرعاً جائز ہے۔ اور شرط کرنے والے فریق کو فسخ کر دینے کا اختیار ہو گا۔ فقہ کی اور شریعت کی اصطلاح میں اس کو "خیارِ شرط" کہا جاتا ہے، اس کا حدیث میں صراحۃً ذکر ہے اور اس پر فقہا کا اتفاق ہے۔ امام شافعیؒ اور بعض دوسرے آئمہ کے نزدیک اس طرح کی شرط اور قرارداد کے

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے آخر میں تحریر فرماتے ہیں: "فان روی منهم جور ظاهر لا یشك فیه الناس جاز تغییره فانه من الافساد فی الارض" حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۳ ج ۲

[۲] جمع الفوائد ص ۲۶۲ ج ۱

بغیر بھی فریقین کو معاملہ فسخ کرنے کا اس وقت تک اختیار رہتا ہے جب تک وہ دونوں اسی جگہ رہیں جہاں سودا طے ہوا ہے۔ لیکن اگر کوئی ایک بھی اس جگہ سے ہٹ جائے اور علیحدہ ہو جائے تو یہ اختیار ختم ہو جائے گا۔ اس کو فقہ کی زبان میں "خیار مجلس" کہا جاتا ہے' امام ابو حنیفہؒ اور بعض دوسرے آئمہ اس "خیارِ مجلس" کے قائل نہیں ہیں۔ اس بارے میں ان کا مسلک یہ ہے کہ خرید و فروخت کی بات جب فریقین کی طرف سے بالکل طے ہو گئی اور سودا پکا ہو گیا اور لین دین بھی ہو گیا تو اگر پہلے سے کسی فریق نے بھی فسخ کے اختیار کی شرط نہیں لگائی ہے تو اب کوئی فریق بھی یک طرفہ طور پر معاملہ فسخ نہیں کر سکتا' ہاں باہمی رضامندی سے معاملہ فسخ کیا جا سکتا ہے جس کو شریعت کی اور فقہ کی زبان میں "اِقَالَہ" کہا جاتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُتَبَايِعَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ عَلٰى صَاحِبِهٖ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا اِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ معاملہ بیع کے دونوں فریقوں کو (فسخ کرنے کا) اختیار ہے جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں' سوائے خیار شرط والی بیع کے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر کسی فریق کی طرف سے بھی فسخ کرنے کے اختیار کی شرط نہیں لگائی گئی ہے تو معاملہ فسخ کرنے کا اختیار صرف اس وقت تک ہے جب تک دونوں فریق جدا نہ ہوں۔

امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیال آئمہ نے اس حدیث کے لفظ "مالم یتفرقا" سے خیار مجلس سمجھا ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک بات بالکل ختم اور طے نہ ہو جائے اس وقت تک ہر فریق کو اختیار ہے کہ وہ اپنی پیش کش واپس لے لے' اس کے بعد کسی کو فسخ کرنے کا اختیار نہ رہے گا۔ وہ "تفرق" سے مکانی علیحدگی نہیں بلکہ معاملاتی اور قولی علیحدگی و جدائی مراد لیتے ہیں' جیسا کہ قرآن مجید میں یہی لفظ اس معنی میں آیت "وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ" میں طلاق کے سلسلہ میں استعمال کیا گیا ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ صَفْقَةَ خِيَارٍ وَلَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يُّفَارِقَ صَاحِبَهٗ خَشْيَةَ اَنْ يَّسْتَقِيْلَهٗ. (رواه الترمذی و ابو داؤد والنسائی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خریدار اور فروخت کرنے والے دونوں فریقوں کو اس وقت تک اختیار ہے جب تک باہم جدا نہ ہوں (اس کے بعد اختیار نہیں) سوائے اس صورت کے کہ (شرط لگا کے) اختیار کر لیا گیا ہو۔ دونوں میں سے کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ اقالہ اور واپسی کے خطرہ کی وجہ سے دوسرے سے جدا ہو۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) اس حدیث کا مدعا بھی وہی ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث کا ہے کہ معاملہ بیع کے دونوں فریقوں (بائع و مشتری) کو اس وقت تک معاملہ فسخ کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ متفرق اور جدا نہ ہوں۔ جدا ہونے کے بعد صرف اسی صورت میں فسخ کا اختیار ہوگا جب شرط کے طور پر یہ طے کر لیا گیا ہو۔ اس کے آگے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی یہ ہدایت بھی ہے کہ "فریقین میں سے کوئی بھی اس خطرہ کی وجہ سے الگ اور جدا نہ ہو کہ وہ اپنی بات واپس لے کر معاملہ فسخ نہ کر دے۔"

خیارِ عیب، یعنی عیب کی وجہ سے معاملہ فسخ کرنے کا اختیار:

خرید و فروخت کا معاملہ فسخ کرنے کی اختیار کی دو صورتوں کا ذکر مندرجہ بالا حدیثوں میں آچکا ہے (ایک "خیار شرط" دوسرے "خیار مجلس" ایک تیسری شکل یہ ہے کہ خریدی ہوئی چیز میں کوئی عیب معلوم ہو جائے جو پہلے معلوم نہیں تھا، اس صورت میں بھی خریدار کو معاملہ فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، اس کی ایک مثال وہ ہے جو حضرت عائشہؓ کی مندرجہ ذیل حدیث میں ذکر کی گئی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَجُلًا اِبْتَاعَ غُلَامًا فَاَقَامَ عِنْدَهُ مَاشَاءَ اللهُ ثُمَّ وَجَدَ بِهِ عَيْبًا فَخَاصَمَهُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّهُ عَلَيْهِ فَقَالَ الرَّجُلُ يَارَسُوْلَ اللهِ قَدْ اسْتَغَلَّ غُلَامِىْ فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ.

(ابو داؤد والترمذی والنسائی و ابن ماجہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی دوسرے سے ایک غلام خریدا، اور وہ (کچھ دن) جتنے اللہ نے چاہا اس کے پاس رہا، پھر اسے معلوم ہوا کہ غلام میں ایک عیب ہے، تو وہ شخص اس معاملہ کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور آپ ﷺ سے فیصلہ چاہا، تو آپ ﷺ نے (اس عیب کی بنیاد پر) غلام واپس کر دینے کا فیصلہ فرما دیا۔ مدعا علیہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس بھائی نے (اتنے دن تک) میرے غلام سے کام لیا ہے اور

فائدہ اٹھایا ہے (لہٰذا مجھے اس کا معاوضہ بھی ملنا چاہئے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "الخراج بالضمان" (یعنی نفع کا مستحق وہی ہے جو نقصان کا ضامن ہے)

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) حدیث کے آخر میں آپ ﷺ کا ارشاد "الخراج بالضمان" شریعت کے ان اصولی قواعد میں سے ہے جن سے فقہاء نے سینکڑوں مسئلوں کا حکم نکالا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ منفعت کا مستحق وہی ہوتا ہے جو نقصان کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اگر بالفرض غلام خریدنے والے کے پاس یہ غلام مر جاتا یا کسی حادثہ سے اس کا کوئی عضو ٹوٹ پھوٹ جاتا تو یہ نقصان خریدنے والے ہی کا ہوتا۔ اس لئے ان دونوں میں جو فائدہ خریدنے والے نے غلام سے اٹھایا وہ اس کا حق تھا لہٰذا اس کے معاوضے کا کوئی سوال نہیں۔

یہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ بھی قابل ذکر ہے جس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں نقل کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنا ایک غلام آٹھ سو درہم میں کسی شخص کے ہاتھ بیچا اور یہ وضاحت کردی کہ اس غلام میں کوئی عیب نہیں ہے۔ بعد میں غلام خریدنے والے نے کہا کہ اس کو فلاں بیماری ہے جس کے بارے میں آپ نے بتلایا نہیں تھا (حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے غالباً کہا کہ یہ بیماری اس کو میرے ہاں نہیں تھی) بہر حال یہ مقدمہ خلیفہ وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہوا۔ آپؓ نے معاملہ سن کے (اور یہ دیکھ کے کہ خریدار اس بات کے گواہ پیش نہیں کرسکتا کہ غلام کو یہ بیماری پہلے سے تھی) قانون شریعت کے مطابق حضرت ابن عمر سے کہا کہ آپ قسم کے ساتھ یہ بیان دے دیں کہ غلام کو یہ مرض آپ کے ہاں نہیں تھا۔ حضرت ابن عمر نے قسم کے ساتھ یہ بیان دینے سے معذرت کردی اور اپنا غلام واپس لے لیا۔ پھر اللہ نے کیا کہ بیماری کا اثر ختم ہو کے غلام بالکل صحیح تندرست ہو گیا اور اس کے بعد وہی غلام حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے پندرہ سو درہم میں فروخت کیا۔

آئمہ فقہاء کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ اگر خریدی ہوئی چیز میں کوئی عیب نکل آئے (جس کی وجہ سے اس کی قیمت اور حیثیت کم ہو جائے) تو یہ ثابت ہو جانے پر کہ یہ عیب خرید و فروخت کے معاملے سے پہلے کا ہے' خریدار کو معاملہ فسخ کر دینے اور خریدی ہوئی چیز واپس کر کے اپنی ادا کی ہوئی قیمت واپس لینے کا اختیار ہے۔ اسی کو "خیار عیب" کہا جاتا ہے۔

اِقالہ یعنی بیع کا معاملہ مکمل ہو جانے کے بعد فسخ اور واپسی:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو شخصوں کے درمیان کسی چیز کی بیع کا معاملہ ہوا اور فریقین کی طرف سے بات بالکل ختم ہو گئی لین دین بھی ہو گیا' اس کے بعد کسی ایک نے اپنی مصلحت سے معاملہ فسخ کرنا چاہا' مثلاً خریدار نے جو چیز خریدی تھی اس کو واپس کرنا چاہا یا بیچنے والے نے اپنی چیز واپس لینی چاہی تو اگرچہ قانونِ شریعت کی رو سے دوسرا فریق مجبور نہیں ہے کہ وہ اس کے لئے راضی ہو لیکن رسول اللہ ﷺ نے اخلاقی انداز میں اس کی اپیل کی ہے اور اس کو بہت بڑی نیکی قرار دیا ہے۔ شریعت کی زبان میں اسی کو "اِقالہ" کہا جاتا ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَقَالَ مُسْلِمًا اَقَالَهُ اللّٰهُ عَثْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ اپنے کسی مسلمان بھائی کے ساتھ اقالہ کا معاملہ کرے (یعنی اس کی بیچی یا خریدی ہوئی چیز کی واپسی پر راضی ہو جائے) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی غلطیاں (یعنی اس کے گناہ) بخش دے گا۔
(سنن ابو داؤد' سنن ابن ماجہ)

(تشریح) کسی چیز کو خرید کر یا بیچ کر آدمی واپس کرنا یا واپس لینا جب ہی چاہتا ہے جب محسوس کرتا ہے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی' میں اس معاملہ میں نقصان اور خسارہ میں رہا اور دوسرا فریق نفع میں رہا۔ اس صورت میں دوسرے فریق کا معاملہ فسخ کر کے واپسی پر راضی ہو جانا بلاشبہ ایثار ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں اس ایثار ہی کی ترغیب دی ہے اور ایسا کرنے والے کو بشارت سنائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے قیامت میں اس کے قصوروں اور گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔ بلاشبہ بڑا نفع بخش ہے یہ سودا۔

سوداگروں کو قسمیں کھانے کی ممانعت:

بعض سوداگر اور دکاندار اپنا سودا بیچنے کے لئے بہت قسمیں کھاتے ہیں اور قسموں کے ذریعے گاہک کو خریداری پر آمادہ کرنا چاہتے ہیں' یہ اللہ تعالیٰ کے نام پاک کا بہت بے جا استعمال ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں اس سے منع فرمایا اور اس کو بے برکتی کا موجب بتلایا ہے۔

عَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَلْفِ فِى الْبَيْعِ فَاِنَّهُ يُنْفِقُ ثُمَّ يَمْحَقُ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیع فروخت میں زیادہ قسمیں کھانے سے بہت بچو کیونکہ اس سے (اگرچہ بالفعل) دکانداری خوب چل جاتی ہے لیکن بعد میں یہ برکت کھو دیتی ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں سوداگروں، دکانداروں کو زیادہ قسمیں کھانے کی بری عادت سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور اس کو بے برکتی کا موجب بتلایا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ سودا بیچنے کے لئے کثرت سے قسم کھانا اگرچہ وہ قسم جھوٹی نہ ہو سچی ہو، اللہ تعالیٰ کے باعظمت نام کا بہت نامناسب استعمال ہے۔ اور جھوٹی قسم کھانا تو ایک دفعہ بھی گناہِ عظیم ہے۔ صحیح مسلم ہی کی ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو سوداگر جھوٹی قسم کھا کر اپنا کاروبار چلاتا ہے وہ ان مجرمین میں شامل ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ "لا یکلمهم الله یوم القیمة ولا ینظر الیهم ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم ○ (یعنی قیامت میں ان کو اللہ تعالیٰ اپنی ہم کلامی کی لذت و عزت سے اور نگاہِ رحمت و نظرِ عنایت سے محروم رکھے گا اور فسق و فجور کی نجاست سے ان کو پاک نہیں کیا جائے گا، ان کا حصہ بس خدا کا دردناک عذاب ہوگا۔

دکانداری میں قسمیں کھانے اور دوسری نامناسب باتوں کا کفارہ:

عَنْ قَيْسِ بْنِ غَرَزَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ اِنَّ الْبَيْعَ يَحْضُرُهُ اللَّغْوُ وَالْحَلْفُ فَشُوْبُوْهُ بِالصَّدَقَةِ.

(رواه ابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجة)

قیس بن غرزہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "اے معشر تجار (اے سوداگرو!) بیع میں لغو اور بے فائدہ باتیں بھی ہو جاتی ہیں اور قسم بھی کھائی جاتی ہے تو (اس کے علاج اور کفارہ کے طور پر) اس کے ساتھ صدقہ ملا دیا کرو۔"

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) واقعہ ہے کہ اپنا سودا بیچنا اور گاہک کو خریداری پر آمادہ کرنے کے لئے بہت سے دکاندار قسمیں بھی کھاتے ہیں اور اس کے علاوہ اور بھی ایسی باتیں کرتے ہیں جو اللہ کے نزدیک لغو و لایعنی اور ناپسندیدہ ہوتی ہیں اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں ہدایت فرمائی کہ اس کے کفارہ کے طور پر تاجر لوگ صدقہ (یعنی فی سبیل اللہ غربا اور مساکین وغیرہ کی خدمت و اعانت) کو اپنے کاروبار میں شامل کر لیں، یہ انشاء اللہ حسبِ حال کی اس بیماری کا علاج بھی ہوگا جو کاروباری لوگوں سے ناپسندیدہ باتیں اور غلط کام کراتی ہے۔

اگر تجارت نیکی سچائی اور تقوے کے ساتھ نہیں تو حشر بہت خراب:

عَنْ رِفَاعَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التُّجَّارُ يُحْشَرُونَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فُجَّارًا إِلَّا مَنِ اتَّقٰى وَ بَرَّ وَ صَدَقَ (رواه الترمذى و ابن ماجه والدارمى)

حضرت رفاعہ بن رافع انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تاجر لوگ سوائے ان کے جنہوں نے (اپنی تجارت میں) تقوے اور نیکی اور سچائی کا رویہ اختیار کیا۔ قیامت میں فاجر اور بدکار اٹھائے جائیں گے۔

(تشریح) اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید اور آگاہی ہے خوف خدا' احکام شریعت اور سچائی و نیکوکاری سے آزاد ہو کر تجارت اور سوداگری کرتے ہیں اور جھوٹ سچ' جس طرح بھی ہو سکے بس اپنی دولت میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن ان کا حشر "فاجروں" یعنی بدکار مجرموں کی حیثیت سے ہو گا اور اسی حیثیت سے بارگاہ خداوندی میں ان کی پیشی ہو گی۔ اللہ کی پناہ؟ اس کے برخلاف جو تجارت پیشہ بندے اپنی تجارت اور کاروبار میں آخرت کے انجام کو پیش نظر رکھتے ہوئے سچائی اور دیانت داری کی پابندی کے ساتھ تجارت اور کاروبار کریں ان کو رسول اللہ ﷺ نے خوش خبری سنائی ہے کہ:

"وہ قیامت میں انبیاء علیہم السلام' صدیقین اور شہداء کرام کے ساتھ ہوں گے۔"

یہ حدیث جامع ترمذی اور سنن دارمی وغیرہ کے حوالہ سے (اسی سلسلہ معارف الحدیث میں) کچھ ہی پہلے درج ہو چکی ہے اور وہاں اس کی تشریح بھی کی جا چکی ہے۔

مکان وغیرہ جائیداد کی فروخت کے بارے میں ایک مشفقانہ ہدایت:

مکان باغ یا کاشت کی زمین جیسی غیر منقولہ چیزوں کی یہ خصوصیت ہے کہ نہ ان کو کوئی چرا سکتا ہے نہ ان پر اس طرح کے دوسرے حادثے آسکتے ہیں جو اموال منقولہ پر آتے ہیں دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر کسی خاص ضرورت اور مصلحت کے ان چیزوں کو فروخت نہ کیا جائے اور اگر فروخت کیا جائے تو بہتر یہ ہو گا کہ اس قیمت سے کوئی غیر منقولہ جائیداد ہی خریدی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کو امت کے حال پر جو شفقت تھی اس کی بناء پر آپ ﷺ نے اس طرح کے مشورے بھی دیئے ہیں۔ مندرجہ ذیل حدیث اسی قبیل سے ہے۔

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ حُرَيْثٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ بَاعَ مِنْكُمْ دَارًا اَوْ عِقَارًا قَمِنٌ اَنْ لَّا يُبَارَكَ لَهُ اِلَّا اَنْ يَجْعَلَهُ فِيْ مِثْلِهِ.

(رواه ابن ماجه والدارمی)

حضرت سعید بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ تم میں سے جو کوئی اپنا گھر یا جائداد بیچے تو سزاوار ہے کہ اس کے اس عمل میں برکت و فائدہ نہ ہو۔ البتہ اگر وہ اس کی قیمت کو اسی طرح کی کسی جائداد میں لگادے تو پھر ٹھیک ہے۔ (سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

(تشریح) جیسا کہ اوپر تمہید میں عرض کیا گیا حضور ﷺ کے اس ارشاد کی حیثیت ایک مشفقانہ ہدایت اور مشورہ کی ہے۔ یہ شرعی مسئلہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم امتیوں کو حضور ﷺ کے اس طرح کے مشفقانہ مشوروں، بلکہ اشاروں پر بھی چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کاروبار میں شرکت کا جواز اور دیانتداری کی تاکید:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ اَنَا ثَالِثُ الشَّرِيْكَيْنِ مَالَمْ يَخُنْ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ فَاِذَا خَانَهُ خَرَجْتُ مِنْ بَيْنِهِمَا. (رواه ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ جو دو آدمی شرکت میں کاروبار کریں تو تیسرا میں ان کے ساتھ ہوتا ہوں (یعنی میری رحمت اور برکت ان کے ساتھ ہوتی ہے) جب تک ان میں سے کوئی اپنے ساجھے دار کے حق میں خیانت اور بددیانتی نہ کرلے۔ پھر جب کسی شریک کی طرف سے خیانت اور بددیانتی کا صدور ہوتا ہے تو میں ان سے الگ ہو جاتا ہوں (اور وہ میری معیت کی برکت سے محروم ہو جاتے ہیں۔) (سنن ابی داؤد)

(تشریح) علماء مصنفین کی اصطلاح کے مطابق یہ "حدیث قدسی" ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل فرمایا ہے۔ اس سے ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تجارت اور کاروبار میں شرکت جائز ہے۔ بلکہ باعث برکت بھی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تجارت اور کاروبار کی شرکت ہی کے باب میں زہرہ بن معبد تابعی کی روایت سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ میرے دادا عبداللہ بن ہشام کو ان کے بچپن ہی میں، ان کی والدہ (زینب بنت حمید) حضور ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئیں اور درخواست کی کہ حضرت میرے اس بچے کو بیعت فرمالیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ھو صغیر" یعنی یہ ابھی

بہت کم عمر ہے، اور آپ نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور ان کے لئے دعا فرمائی (آگے زہرہ بن معبد بیان کرتے ہیں کہ) پھر میرے یہ دادا عبداللہ بن ہشام جب تجارت اور کاروبار کرنے لگے تو میں ان کے ساتھ بازار اور منڈی جایا کرتا تھا تو بسا اوقات ایسا ہوتا کہ وہ تجارت کے لئے غلہ کی خریداری کرتے تو حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر (دونوں بزرگ صحابی) ان کو ملتے اور ان سے کہتے کہ ہم کو بھی شریک کرلو اور حصہ دار بنالو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تمہارے لئے برکت کی دعا فرمائی تھی (تو اس دعا کی برکت سے انشاء اللہ خوب نفع ہوگا) تو میرے دادا عبداللہ ابن ہشام سودے میں ان دونوں صاحبوں کو بھی شریک کرلیتے تھے، تو بسا اوقات اتنا نفع ہوتا کہ پورا ایک اونٹ بھر غلہ نفع سے بچ جاتا جس کو وہ اپنے گھر بھیج دیتے۔

(صحیح بخاری کتاب الشرکۃ)

تجارت اور کاروبار میں کسی کو وکیل بنانا بھی جائز ہے:

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ اَبِي الْجَعْدِ الْبَارِقِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَاهُ دِيْنَارًا لِيَشْتَرِيَ شَاةً فَاشْتَرٰى لَهٗ شَاتَيْنِ فَبَاعَ اَحَدَهُمَا بِدِيْنَارٍ وَاَتَاهُ بِشَاةٍ وَدِيْنَارٍ فَدَعَا لَهٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْعِهٖ بِالْبَرَكَةِ فَكَانَ لَوِ اشْتَرٰى تُرَابًا لَرَبِحَ فِيْهِ.

(رواہ البخاری)

عروہ بن ابی الجعد بارقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس مقصد سے ایک دینار دیا کہ وہ آپ کے لئے ایک بکری خرید لائیں وہ گئے اور انہوں نے اس ایک دینار کی دو بکریاں خرید لیں۔ پھر ان میں سے ایک، ایک دینار کی بیچ دی اور واپس آکر حضور ﷺ کی خدمت میں ایک بکری بھی پیش کردی اور ایک دینار بھی (اور واقعہ بتلادیا) تو آپ ﷺ نے ان کے واسطے (خاص طور سے) خرید و فروخت میں یعنی تجارت میں برکت کی دعا فرمائی۔ راوی کہتے ہیں کہ اس دعا کی برکت سے ان کا حال یہ تھا کہ اگر مٹی بھی خرید لیتے تو اس میں بھی ان کو نفع ہو جاتا۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) عروہ بن ابی الجعد بارقی نے بکریوں کی یہ خرید و فروخت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آپ کے وکیل کی حیثیت سے کی تھی اس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ اور چونکہ پہلے خریدی ہوئی دو بکریوں میں سے ایک حضور ﷺ سے اجازت لئے بغیر فروخت کردی اور حضور ﷺ نے ان کے اس فعل کو غلط اور خلاف شریعت قرار نہیں دیا بلکہ شاباشی اور دعا دی تو اس

سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وکیل اپنے مؤکل کی چیز اس کی اجازت کے بغیر بھی فروخت کر سکتا ہے اور مؤکل اگر اس کو قبول کر لے تو وہ بیع جائز اور نافذ ہو گی۔

عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مَعَهُ بِدِيْنَارٍ لِيَشْتَرِىَ لَهُ بِهِ أُضْحِيَةً فَاشْتَرٰى كَبْشًا بِدِيْنَارٍ وَبَاعَهُ بِدِيْنَارَيْنِ فَرَجَعَ فَاشْتَرٰى أُضْحِيَةً بِدِيْنَارٍ فَجَاءَ بِهَا وَبِالدِّيْنَارِ الَّذِىْ اِسْتَفْضَلَ مِنَ الْاُخْرٰى فَتَصَدَّقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالدِّيْنَارِ فَدَعَا لَهُ اَنْ يُّبَارَكَ لَهُ فِىْ تِجَارَتِهِ. (رواه الترمذی و ابو داؤد)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک دینار دے کر اس کام کے لئے بھیجا کہ وہ آپ کے لئے قربانی کا جانور خرید لائیں۔ تو انہوں نے اس دینار سے ایک مینڈھا (یا دنبہ) خرید لیا اور پھر وہیں اس کو (کسی خریدار کے ہاتھ) دو دینار میں فروخت کر دیا، پھر لوٹے اور ان میں سے ایک دینار میں قربانی کا جانور خرید لیا اور آکر حضور ﷺ کی خدمت میں قربانی کے جانور کے ساتھ وہ دینار بھی پیش کر دیا جو دوسرا جانور (یعنی پہلا خریدا ہوا مینڈھا یا دنبہ) فروخت کر کے بچا لیا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے وہ دینار صدقہ کر دیا اور حکیم بن حزام کے لئے تجارت اور کاروبار میں برکت کی دعا فرمائی۔
(جامع ترمذی و سنن ابی داؤد)

(تشریح) حکیم[1] بن حزام کی اس حدیث کا مضمون بھی قریب قریب وہی ہے جو اس سے پہلے والی حضرت عروہ بارقیؓ کی حدیث کا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ دونوں الگ الگ واقعے ہیں اور دونوں ہی سے وہ مسئلہ معلوم ہو جاتا ہے جو اس سے پہلے والی حدیث کی تشریح میں ذکر کیا گیا۔

اجارہ (یعنی مزدوری اور کرایہ داری)

کسی کو اجرت اور مزدوری دے کر اپنا کام کرانا، یا استعمال کے لئے کسی کو اپنی چیز دے کر اس کا کرایہ لینا۔ شریعت اور فقہ کی زبان میں اسکو "اجارہ" کہا جاتا ہے اور یہ ان معاملات میں سے ہے جن پر انسانی تمدن کی بنیاد قائم ہے۔ اس موضوع سے متعلق چند حدیثیں ذیل میں درج کی جارہی ہیں۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَابَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا رَعَى الْغَنَمَ فَقَالَ اَصْحَابُهُ وَاَنْتَ؟ فَقَالَ نَعَمْ كُنْتُ اَرْعٰى عَلٰى قَرَارِيْطَ لِاَهْلِ مَكَّةَ. (رواه البخاری)

---

[1] یہ حکیم بن حزام ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے۔ قریش کے بڑے لوگوں میں تھے۔ دولت مند بھی تھے اور فیاض بھی۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر قریباً ۶۰ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا، اس کے بعد بھی قریباً ساٹھ سال زندہ رہے کچھ کم سوا سو سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی رضی اللہ عنہ وارضاہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی پیغمبر بھیجے سب نے بکریاں چرائی ہیں، صحابہ نے عرض کیا اور حضرت آپ نے؟ فرمایا کہ ہاں میں نے بھی بکریاں چرائی ہیں، میں چند قیراط پر اہلِ مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔
(صحیح بخاری)

(تشریح) حضور ﷺ نے اس حدیث میں چند قیراط مزدوری پر مکہ والوں کی بکریاں چرانے کا اپنا جو واقعہ بیان فرمایا ہے یہ غالباً ابتدائی عمر کا ہے جب آپ ﷺ اپنے چچا خواجہ ابو طالب کے ساتھ رہتے تھے تو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے مزدوری پر مکہ والوں کی بکریاں چراتے تھے جس کے عوض آپ ﷺ کو چند قیراط مل جاتے تھے۔ یہی اس زمانہ میں آپ ﷺ کا ذریعہ معاش تھا۔ ایک قیراط، درہم کا قریباً بارہواں حصہ ہوتا تھا۔

بکریاں چرانا بڑا صبر آزما کام ہے اور اگر آدمی میں صلاحیت ہو تو اس سے اس کی بڑی تربیت ہوتی ہے۔ غرور اور تکبر جیسے رزائل کا علاج ہوتا ہے، صبر کی اور غصہ پینے کی عادت پڑتی ہے اور شفقت و ترحم کی مشق ہوتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سب پیغمبروں نے یہ کورس پورا کیا ہے۔ ضمنی طور پر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس طرح کی مزدوری نہ صرف جائز بلکہ سنتِ انبیاء ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطُوا الْاَجِيْرَ اَجْرَهُ قَبْلَ اَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ. (رواہ ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری ادا کر دیا کرو۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اجیر اور مزدور جب تمہارا کام پورا کر دے تو اس کی مزدوری فوراً ادا کر دی جائے تاخیر بالکل نہ کی جائے۔

لگان یا بٹائی پر زمین دینا:

اجارہ ہی کی ایک صورت یہ ہے کہ اپنی زمین کسی کو دی جائے کہ وہ اس سے کاشت کرے اور طے شدہ کرایہ نقد کی شکل میں ادا کرے جس کو زرِ لگان کہا جاتا ہے یا بجائے نقد لگان کے بٹائی طے ہو جائے کہ پیداوار کا اتنا حصہ زمین کے مالک کو دیا جائے۔ مندرجہ ذیل حدیثوں کا تعلق ان دونوں صورتوں سے ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطٰى خَيْبَرًا لِيَهُوْدَ اَنْ يَّعْمَلُوْهَا وَيَزْرَعُوْهَا وَلَهُمْ شَطْرُمَا يَخْرُجُ مِنْهَا. (رواه البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (فتح خیبر کے بعد) خیبر کی زمین وہاں کے یہودیوں کے سپرد کردی اور اس شرط پر کہ وہ محنت کریں اور کاشت کریں اور پیداوار کا نصف حصہ ان کا ہو۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) یہ حدیث الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ صحیح مسلم میں بھی ہے اس میں صراحت کے ساتھ اس کا بھی ذکر ہے کہ کاشت والی زمینوں کے علاوہ خیبر کے نخلستان بھی رسول اللہ ﷺ نے اس شرط پر وہاں کے یہودیوں کے سپرد کردیئے تھے کہ ان کی پیداوار کا نصف ان کو ملے گا۔ یہ گویا بٹائی والا معاملہ تھا۔

عَنْ عَمْرٍو قَالَ قُلْتُ لِطَاؤُسٍ لَوْ تَرَكْتَ الْمُخَابَرَةَ فَاِنَّهُمْ يَزْعَمُوْنَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهُ قَالَ اِىْ عَمْرُو وَاُعْطِيْهِمْ وَاُعِيْنُهُمْ وَاِنَّ اَعْلَمَهُمْ اَخْبَرَنِىْ يَعْنِىْ اِبْنَ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنْهَ عَنْهُ وَلٰكِنْ قَالَ اَنْ يَّمْنَحَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّاْخُذَ عَلَيْهِ خَرْجًا مَعْلُوْمًا. (رواه البخاری و مسلم)

عمرو بن دینار تابعی نے فرمایا کہ میں نے جناب طاؤس (تابعی) سے ایک بار کہا کہ آپ بٹائی (یا لگان) پر زمین اٹھانا چھوڑ دیتے تو اچھا ہوتا کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ میرا طریقہ یہ ہے کہ میں کاشت کاروں کو کاشت کے لئے زمین بھی دیتا ہوں اور اس کے علاوہ بھی ان کی مدد کرتا ہوں۔ اور امت کے بڑے عالم یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ کو بتلایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین کو بٹائی یا لگان پر اٹھانے سے منع نہیں فرمایا تھا۔ البتہ یہ فرمایا تھا کہ اپنی زمین اپنے دوسرے بھائی کو کاشت کے لئے (بغیر کسی معاوضہ کے) دے دینا اس سے بہتر ہے کہ اس پر کوئی مقررہ لگان وصول کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) عمرو بن دینار کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ و تابعین کے زمانہ میں کچھ حضرات کا خیال تھا کہ اپنی مملوکہ زمین کی بٹائی یا لگان پر اٹھانا درست نہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگرد اور فیض یافتہ طاؤس نے حضرت ابن عباس سے یہ وضاحت نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو ناجائز قرار نہیں دیا تھا بلکہ اخلاقی طور پر فرمایا تھا کہ اپنے کسی بھائی کو مقررہ لگان یا بٹائی پر زمین دینے سے بہتر یہ ہے کہ حسبۃً للہ بغیر کسی معاوضہ کے

اس کو کاشت کے لئے زمین دے دی جائے۔ طاؤس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس وضاحت اور فتوے کی روشنی میں اپنی زمینیں بٹائی یا لگان پر اُٹھاتے تھے اور ان کاشتکاروں کی کاشت کے اخراجات وغیرہ میں مزید امداد و اعانت بھی کرتے تھے۔

دم کرنے اور جھاڑنے پر معاوضہ لینا:

اپنے عمل اور اپنی محنت کا معاوضہ لینا اجارہ ہے اور اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی مریض وغیرہ پر قرآن شریف یا کوئی دعا پڑھ کر دم کیا جائے یا تعویذ لکھا جائے اور اس کا معاوضہ لیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں اور صحابہ کرام نے دم کرنے کا معاوضہ لیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو جائز اور طیب قرار دیا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ نَفَرًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرُّوْا بِمَاءٍ فِيْهِمْ لَدِيْغٌ اَوْ سَلِيْمٌ فَعَرَضَ لَهُمْ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْمَاءِ فَقَالَ هَلْ فِيْكُمْ مِنْ رَاقٍ اِنَّ فِي الْمَاءِ رَجُلًا لَدِيْغًا اَوْ سَلِيْمًا فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ عَلٰى شَاءٍ فَبَرَءَ فَجَاءَ بِالشَّاءِ اِلٰى اَصْحَابِهٖ فَكَرِهُوْا ذٰلِكَ وَقَالُوْا اَخَذْتَ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ اَجْرًا حَتّٰى قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخَذَ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ اَجْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ. (رواه البخاری) وَفِي رِوَايَةٍ اَصَبْتُمْ اقْسِمُوْا وَاضْرِبُوْا لِيْ مَعَكُمْ سَهْمًا.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت ایک بستی پر گزری تو بستی کا ایک آدمی ملا اور اس نے کہا کہ کیا تم لوگوں میں کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے؟ ہماری بستی میں ایک آدمی کو سانپ نے کاٹ لیا ہے یا کہا کہ بچھو نے کاٹ لیا ہے۔ (غالباً یہ راوی کا شک ہے) تو جماعت صحابہ میں سے ایک آدمی اُٹھ کر چل دیا اور بستی میں جا کر کچھ بکریاں بطور معاوضہ مقرر کر کے اس کاٹے ہوئے آدمی پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ بالکل اچھا ہو گیا تو صاحب ٹھہرائی ہوئی بکریاں ساتھ لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آ گئے۔ تو ان حضرات نے اس کو برا سمجھا اور ان سے کہا کہ تم نے اللہ کی کتاب پڑھنے کا معاوضہ لے لیا۔ یہاں تک کہ یہ سب حضرات مدینہ آ گئے۔ لوگوں نے مسئلہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ ہمارے فلاں ساتھی نے کتاب اللہ (سورۂ فاتحہ) پڑھ کر معاوضہ لے لیا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کتاب اللہ اس کی زیادہ مستحق ہے کہ اس پر معاوضہ لیا جائے۔" (صحیح بخاری)..... اور اس حدیث کی صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ تم

نے ٹھیک کیا ان بکریوں کو آپس میں تقسیم کرلو اور میرا بھی حصہ لگاؤ۔

(تشریح) صحیح بخاری میں یہ واقعہ اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بھی مروی ہے۔ اور اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں بھی روایت کیا گیا ہے جس میں مذکور ہے کہ اسی طرح کے ایک سفر میں ایک دیوانے اور پاگل پر لوگوں نے دم کرایا' ایک صحابی نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر صبح و شام تین دن دم کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ بالکل اچھا ہو گیا۔ انہوں نے بھی معاوضہ وصول کیا۔ لیکن ان صحابی کو خود تردد ہو گیا کہ میرا معاوضہ لینا جائز ہے یا نا جائز۔ چنانچہ واپسی پر حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے اس کو صحیح اور جائز قرار دیا۔

انہی حدیثوں کی روشنی میں علماء و فقہا کا اس پر قریباً اتفاق ہے کہ اس طرح دم کرنے یا تعویز لکھنے پر معاوضہ لینا جائز ہے جس طرح طبیبوں اور ڈاکٹروں کے لئے علاج کی فیس لینا جائز ہے۔ ہاں اگر بغیر معاوضہ فی سبیل اللہ بندگانِ خدا کی خدمت کی جائے تو وہ بلند درجہ کی بات ہے اور انبیاء علیہم السلام سے نیابت کی نسبت رکھنے والوں کا طریقہ یہی ہے۔

عاریت (منگنی)

تمدنی زندگی میں اس کی بھی ضرورت پڑتی ہے کہ وقتی ضرورت کے لئے کسی سے کوئی چیز (بغیر اُجرت اور معاوضہ) کے استعمال کے لئے مانگ لی جائے اور ضرورت پوری ہو جانے پر واپس کردی جائے' اسی کو "عاریت" کہا جاتا ہے' یہ ایک طرح کی اعانت اور امداد ہے اور بلاشبہ کسی ضرورت مند کو عاریت پر اپنی چیز دینے والا اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی ضرورت کے موقعوں پر بعض چیزیں بطورِ عاریت کے لے کر استعمال فرمائی ہیں اور اس کے بارے میں ہدایات بھی دی ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیثوں سے معلوم ہوگا۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ فَزَعٌ بِالْمَدِيْنَةِ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا مِنْ اَبِي طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ الْمَنْدُوْبُ فَرَكِبَ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ مَا رَاَيْنَا مِنْ شَيْءٍ وَاِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا (رواه البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (کسی شبہ کی بناء پر) مدینہ میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی (غالباً دشمن کے لشکر کی آمد کا شبہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے مدینہ طیبہ کے عوام میں گھبراہٹ اور خطرہ کے احساس کی کیفیت پیدا ہو گئی) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ان کا گھوڑا عاریتاً مانگا جس کو "مندوب" کہا جاتا تھا (جس کے معنی

ہیں سست رفتار اور مٹھا) اور آپ ﷺ اس پر سوار ہو کر (اس جانب تشریف لے گئے جدھر سے خطرہ کا شبہ تھا) جب آپ واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے کچھ نہیں دیکھا (یعنی کوئی خطرہ والی بات نظر نہیں آئی لہٰذا لوگوں کو مطمئن ہو جانا چاہئے' اس کے ساتھ آپ ﷺ نے ابو طلحہ کے اس گھوڑے کے بارے میں فرمایا کہ) ہم نے اس کو بحر رواں پایا۔
(صحیح بخاری)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا عاریتاً لے کر اس پر سواری کی۔ نیز اس واقعہ سے رسول اللہ ﷺ کی شجاعت اور احساسِ ذمہ داری کی صفت بھی سامنے آئی کہ خطرہ کے موقع پر تحقیق و تجسس کے لئے تن تنہا تشریف لے گئے اور واپس آ کر لوگوں کو مطمئن کر دیا تاکہ وہ بے خوف ہو کر اپنے کاموں میں لگیں۔ ضمنی طور پر اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابو طلحہ کا وہ گھوڑا جو اتنا سست رفتار اور مزاج کا ٹھنڈا تھا کہ اس کا نام ہی لوگوں نے "مندوب" (مٹھا) رکھ دیا تھا' رسول اللہ ﷺ کی سواری میں آ کر ایسا تیز رو اور سبک رفتار ہو گیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے تو اس کو "بحر رواں" پایا (بہترین تیز رفتار گھوڑے کو "بحر" کہا جاتا تھا)

عَنْ أُمَيَّةَ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَعَارَ مِنْهُ أَدْرَاعَهُ يَوْمَ حُنَيْنٍ فَقَالَ أَغَصْبًا يَا مُحَمَّدُ؟ قَالَ بَلْ عَارِيَةً مَضْمُونَةً. (رواہ ابو داؤد)

حضرت امیہ بن صفوان اپنے والد صفوان بن امیہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ حنین کے موقع پر ان کی زرہیں ان سے مانگیں (یعنی آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنی زرہیں جنگ میں استعمال کے لئے ہم کو دے دو) تو صفوان نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کہا کہ کیا (میری زرہیں) غصب کے طور پر لینا چاہتے ہو؟ (یعنی چونکہ تم فاتح ہو اور قوت و اقتدار تمہارے ہاتھ میں ہے اس لئے زبردستی لے لینا چاہتے ہو؟) آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ عاریت کے طور پر (لینا چاہتا ہوں) جس کی واپسی کی ذمہ داری ہے
(سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ صفوان بن امیہ قریش مکہ کے سردار اور رسول اللہ ﷺ کے سخت دشمنوں میں تھے' ۸ھ میں جب مکہ فتح ہو گیا اور وہاں رسول اللہ ﷺ کا اور اسلام کا اقتدار قائم ہو گیا تو یہ صفوان اس دن مکہ مکرمہ سے فرار ہو گئے۔ ان سے تعلق رکھنے والے بعض صحابہ نے ان کے لئے رسول اللہ ﷺ سے امان کی درخواست کی' آپ ﷺ نے قبول فرمالی' وہ ان کی تلاش میں نکلے اور یہ مل گئے تو

وہ ان کو واپس لے آئے لیکن یہ اپنے کفر پر قائم رہے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ سے فارغ ہو کر حنین کا قصد کیا تو مکہ کے ایسے بہت سے لوگ بھی آپ ﷺ کی اجازت سے اس سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ ہو گئے جنہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا، ان میں یہ صفوان بن امیہ بھی تھے۔ اسی موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے آہنی زرہیں عاریتاً مانگی تھیں، تو ان کو یہ شبہ ہوا کہ شاید اب میری یہ زرہیں غصب اور ضبط کر لی جائیں گی اور مجھے واپس نہیں ملیں گی، انہوں نے صفائی سے اپنے شبہ کا اظہار بھی کر دیا، آپ ﷺ نے ان کو اطمینان دلایا کہ "یہ زرہیں تم سے صرف عاریت کے طور پر مانگی جا رہی ہیں ان کی واپسی کی ذمہ داری ہے۔" تو انہوں نے وہ زرہیں آپ کے حوالہ کر دیں۔

اسی غزوہ حنین کے سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہ کر اور آپ کے طور طریقوں اور خاص کر اپنے جیسے قدیمی اور خون کے پیاسے دشمن کے ساتھ آپ ﷺ کا غیر معمولی حسنِ سلوک دیکھ کر آپ ﷺ کے نبی صادق ہونے کا ان کو یقین ہو گیا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ بہرحال یہ صحابی ہیں اور ان سے اس واقعہ کے نقل کرنے والے ان کے بیٹے امیہ بن صفوان بھی صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہما وعن سائر الصحابة اجمعین۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَالْمِنْحَةُ مَرْدُوْدَةٌ وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ وَالزَّعِيْمُ غَارِمٌ (رواه الترمذي وابو داؤد)

حضرت ابو امامہ باہلی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرما رہے تھے کہ عاریت (والی چیز لازماً) واپس کی جائے۔ اور منحہ (یعنی جو چیز فائدہ اٹھانے کے لئے دی گئی ہو وہ عرف کے مطابق فائدہ اٹھا کر مالک کو) لوٹائی جائے گی۔ اور قرض (حسب قرارداد) ادا کرنا ہو گا۔ اور کفالت کرنے والا ادائیگی کا ذمہ دار ہو گا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث میں شریعت کے چار حکم بیان کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اپنی ضرورت اور استعمال کے لئے کسی کی کوئی چیز عاریت کے طور پر لی جائے تو اس کا واپس کرنا لازم ہے، اس میں تساہل نہیں کرنا چاہئے۔

دوسرا حکم یہ بیان فرمایا گیا کہ "منحہ" کا لوٹانا ضروری ہے۔ عرب میں رواج تھا کہ فیاض اور فراخ حوصلہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دیتا اپنی ملکیت کی کوئی چیز صرف فائدہ اٹھانے اور استعمال کرنے کے لئے دوسرے کسی بھائی کو دے دیتے۔ مثلاً اپنا اونٹ سواری کے لئے یا اونٹنی یا بکری

دودھ پینے کے لئے دے دیتے تھے کہ اس کو اپنے پاس رکھو اور کھلاؤ پلاؤ اور اس سے فائدہ اٹھاؤ یا پھلوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنا باغ یا کاشت کے لئے اپنی زمین بغیر کسی معاوضہ کے دے دیتے۔ اس کو "منحہ" کہا جاتا تھا۔ تو اس کے بارے میں حکم دیا گیا کہ جس شخص کو "منحہ" کے طور پر کوئی چیز دی گئی وہ اس کو اپنی ملک نہ بنالے بلکہ عرف کے مطابق اس سے فائدہ اٹھاکے اصل مالک کو واپس کردے۔ بلاشبہ بڑا مبارک تھا یہ رواج اور کچھ دن پہلے تک ہمارے علاقوں میں بھی یہ رواج تھا۔ لیکن اب اس طرح کی ساری خوبیاں اور نیکیاں اٹھتی اور مٹتی جا رہی ہیں، خود غرضی اور نفسانفسی کا دور دورہ ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

تیسرا حکم اس حدیث میں یہ بیان فرمایا گیا کہ جس کسی نے اللہ کے کسی بندہ سے قرض لیا ہو وہ اس کے ادا کرنے کا اہتمام کرے۔ (قرض کی ادائیگی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے سخت تاکیدی ارشادات اور شدید وعیدیں، اسی سلسلۂ معارف الحدیث میں قرض کے زیرِ عنوان پہلے ذکر کی جاچکی ہیں۔)

چوتھا حکم یہ بیان فرمایا گیا کہ کسی شخص کے ذمہ اگر کسی دوسرے کا قرض یا کسی قسم کا مالی حق ہو اور کوئی اس کا کفیل اور ضامن بن جائے تو وہ ادائیگی کا ذمہ دار ہے، یعنی اگر بالفرض اصل مدیون ادا نہ کرے تو اس کفیل اور ضامن کو ادا کرنا پڑے گا۔

غصب (کسی دوسرے کی چیز ناحق لے لینا)

اگر کسی کی کوئی چیز قیمت دے کر لی جائے تو شریعت اور عرف میں اس کو بیع و شراء (خرید و فروخت) کہا جاتا ہے اور اگر اجرت اور کرایہ معاوضہ دے کر کسی کی چیز استعمال کی جائے تو شریعت اور عرف میں وہ "اجارہ" ہے اور اگر بغیر کسی معاوضہ اور کرایہ کے کسی کی چیز وقتی طور پر استعمال کے لئے لی جائے اور استعمال کے بعد واپس کردی جائے تو وہ "عاریت" ہے۔ یہ سب صورتیں جائز اور صحیح ہیں اور ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات و ارشادات گزشتہ صفحات میں ناظرین کی نظر سے گزر چکے ہیں۔

کسی دوسرے کی چیز لے لینے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر زبردستی اور ظالمانہ طور پر اس کی مملوکہ چیز لے لی جائے۔ شریعت کی زبان میں اس کو "غصب" کہا جاتا ہے اور یہ حرام اور سخت ترین گناہ ہے اس کے بارے میں بھی رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ ذیل چند ارشادات ناظرین کرام پڑھ لیں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئاً بِغَيْرِ حَقِّهٖ خُسِفَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلٰى سَبْعِ اَرْضِيْنَ. (رواه البخارى)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی دوسرے کی کچھ بھی زمین ناحق لے لی تو قیامت کے دن وہ اس زمین کی وجہ سے (اور اس کی سزا میں) زمین کے ساتوں طبق تک دھنسایا جائے گا۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) یہ مضمون رسول اللہ ﷺ سے ایک دو لفظوں کے فرق کے ساتھ متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کی زمین کا چھوٹے سے چھوٹا ٹکڑا بھی ناحق غصب کیا (ایک روایت میں ہے کہ اگر صرف بالشت بھر بھی غصب کیا) تو قیامت کے دن اس گناہ کی سزا میں وہ زمین میں دھنسایا جائے گا اور آخری حد تک گویا تحت الثریٰ تک دھنسایا جائے گا...... اللہ کی پناہ!

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایک بڑا عبرت آموز واقعہ زمین کے غصب ہی کے بارے میں روایت کیا گیا ہے۔ جس کا تعلق اس حدیث ہی سے ہے اور وہ یہ کہ ایک عورت نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے خلاف (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) مدینہ کے اس وقت کے حاکم مروان کی عدالت میں دعویٰ کیا کہ انہوں نے میری فلاں زمین دبالی ہے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو اس جھوٹے الزام سے بڑا صدمہ پہنچا انہوں نے مروان سے کہا کہ میں اس عورت کی زمین دباؤں گا اور غصب کروں گا؟ میں نے تو رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں یہ سخت وعید سنی ہے...... (یہ بات حضرت سعیدؓ نے دل کے کچھ ایسے تاثر کے ساتھ اور ایسے انداز سے کہی کہ خود مروان بہت متاثر ہوا) اور اس نے کہا کہ اب میں آپ سے کوئی دلیل اور ثبوت نہیں مانگتا۔ اس کے بعد حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے (دُکھے دل سے) بددعا کی کہ اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ اس عورت نے مجھ پر یہ جھوٹا الزام لگایا ہے تو اس کو آنکھوں کی روشنی سے محروم کردے اور اس کی زمین ہی کو اس کی قبر بنادے۔ (واقعہ کے راوی حضرت عروہ کہتے ہیں کہ) پھر ایسا ہی ہوا۔ میں نے خود اس عورت کو دیکھا، وہ آخر عمر میں نابینا ہوگئی اور خود کہا کرتی تھی کہ سعید بن زید کی بددعا سے میرا یہ حال ہوا ہے، اور پھر ایسا ہوا کہ وہ ایک دن اپنی زمین ہی میں چلی جارہی تھی کہ ایک گڑھے میں گر پڑی اور بس وہ گڑھا ہی اس کی قبر بن گیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ اس واقعہ سے سبق لینے کی توفیق دے۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ مَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا. (رواه الترمذی)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا' جس نے کسی کی کوئی چیز چھین لی اور لوٹ لی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اگر دل میں ایمان کا ذرہ ہو تو یہ وعید انتہائی سخت وعید ہے کہ کسی کی چیز کا چھیننے والا اور غصب کرنے والا رسول اللہ ﷺ کی جماعت اور آپ ﷺ کے لوگوں میں سے نہیں ہے جس کو آپ ﷺ نے اپنے سے الگ اور دور کر دیا وہ بڑا محروم اور بدبخت ہے۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَاْخُذُ اَحَدُكُمْ عَصَا اَخِيْهِ لَاعِبًا جَادًّا فَمَنْ اَخَذَ عَصَا اَخِيْهِ فَلْيَرُدَّهَا اِلَيْهِ. (رواه الترمذی و ابو داؤد)

سائب بن زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی اپنے دوسرے بھائی کی لکڑی' چھڑی بھی نہ لے نہ ہنسی مذاق میں اور نہ لینے کے ارادہ سے۔ پس اگر لے لیوے تو اس کو واپس لوٹائے۔ (جامع ترمذی' سنن ابی داود)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ کسی بھائی کی لکڑی اور چھڑی کی طرح کی حقیر اور معمولی چیز بھی بغیر اس کی مرضی اور اجازت کے نہ لی جائے' ہنسی مذاق میں بھی نہ لی جائی اور اگر غفلت یا غلطی سے لی گئی ہو تو واپس ضرور لوٹائی جائے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ ایسی معمولی چیز کا واپس کرنا کیا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی ان ہدایات کی اہمیت محسوس کرنے کی توفیق دے۔

عَنْ اَبِيْ حُرَّةَ الرَّقَاشِيِّ عَنْ عَمِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا لَا تَظْلِمُوْا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ.

(رواه البيهقی فی شعب الایمان والدارقطنی فی المجتبی)

ابو حرہ رقاشی اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو! خبردار کسی آدمی کی ملکیت کی کوئی چیز اس کی دلی رضامندی کے بغیر لینا حلال اور جائز نہیں ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی' مجتبیٰ للدار قطنی)

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ وَاَصْحَابُهُ بِامْرَاَةٍ فَذَبَحَتْ لَهُمْ شَاةً وَاتَّخَذَتْ لَهُمْ طَعَامًا فَاَخَذَ لُقْمَةً فَلَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يُسِيْغَهَا فَقَالَ هٰذِهِ شَاةٌ ذُبِحَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ اَهْلِهَا فَقَالَتِ الْمَرْاَةُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّا لَا نَحْتَشِمُ مِنْ اٰلِ مُعَاذٍ نَاْخُذُ مِنْهُمْ وَيَاْخُذُوْنَ مِنَّا. (رواه احمد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے چند اصحاب و رفقاء کا گزر ایک خاتون کی طرف سے ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے کھانا تناول فرمانے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے قبول فرمالیا۔) تو اس نے ایک بکری ذبح کی اور کھانا تیار کیا (اور آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کے رفقاء کے سامنے حاضر کردیا) آپ ﷺ نے اس میں سے ایک لقمہ لیا مگر اس کو آپ ﷺ حلق سے نہیں اُتار سکے "تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے) یہ بکری اصل مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کرلی گئی ہے۔ اس خاتون نے عرض کیا کہ ہم لوگ (اپنے پڑوسی) معاذ کے گھر والوں سے کوئی تکلف نہیں کرتے ہم ان کی چیز لے لیتے ہیں اور اسی طرح وہ ہماری چیز لے لیتے ہیں۔ (مسند احمد)

(تشریح) جیسا کہ دعوت کرنے والی خاتون کے جواب سے معلوم ہوا واقعہ یہی تھا کہ وہ بکری جو ذبح کی گئی تھی پڑوس کے ایک گھرانے آلِ معاذ کی تھی اور باہمی اعتماد و تعلق اور رواج و چلن کی وجہ سے ان سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور بکری ذبح کرکے اور کھانا تیار کرکے حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقاء کے سامنے پیش کردیا گیا' لیکن آپ ﷺ نے جب پہلا ہی لقمہ اس میں سے لیا تو آپ ﷺ کی طبیعت مبارک نے اس کو قبول نہیں کیا اور وہ حلق سے اتر ہی نہیں سکا اور آپ ﷺ پر یہ منکشف کردیا گیا کہ یہ بکری اصل مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کرلی گئی ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی چیزوں کے بارے میں عام انسانوں کو ایک ذوق اور احساس دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کڑوی کسیلی چیزوں کا کھانا اور حلق سے اتارنا مشکل ہوتا ہے اسی طرح وہ اپنے بعض خاص بندوں کو جن کو وہ ناجائز غذاؤں سے حفاظت فرمانا چاہتا ہے ایسا ذوق عطا فرمادیتا ہے کہ ناجائز غذا نہ ان سے کھائی جاسکتی ہے اور نہ حلق سے اتاری جاسکتی ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ میں رسول اللہ ﷺ کا لقمہ منہ میں لے لینے کے باوجود نہ کھاسکنا اللہ تعالیٰ کی اسی خاص الخاص عنایت کا ظہور تھا۔ امت کے بعض اولیاء اللہ سے بھی اسی طرح کے واقعات منقول ہیں۔ "ذالك فضل الله يوتيه من يشاء"

اس واقعہ میں یہ بات خاص طور سے قابلِ غور ہے کہ بکری نہ چرائی گئی تھی' نہ غصب کی گئی تھی' بلکہ باہمی اعتماد و تعلق اور رواج و چلن کی وجہ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی اور ذبح کرلی گئی تھی' اس کے باوجود اس میں ایسی خباثت اور خرابی پیدا ہوگئی کہ حضور ﷺ اس کو نہیں کھاسکے اور حلق سے نہیں اُتار سکے۔ اس میں سبق ہے کہ دوسروں کی چیز بغیر اجازت لے لینے اور استعمال کرنے کے بارے میں کس قدر احتیاط کرنی چاہئے۔

ہدیہ تحفہ دینا لینا

تمدنی زندگی میں لین دین کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اپنی کوئی چیز ہدیہ اور تحفہ کے طور پر کسی کو پیش کردی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں اسکی بڑی ترغیب دی ہے۔ اسکی یہ حکمت بھی بتلائی ہے کہ اس سے دلوں میں محبت والفت اور تعلقات میں خوشگواری پیدا ہوتی ہے جو اس دنیا میں بڑی نعمت اور بہت سی آفتوں سے حفاظت اور عافیت وسکون حاصل ہونے کا وسیلہ ہے۔

ہدیہ وہ عطیہ ہے جو دوسرے کا دل خوش کرنے اور اس کے ساتھ اپنا تعلق خاطر ظاہر کرنے کے لئے دیا جائے اور اس کے ذریعے رضائے الہی مطلوب ہو۔ یہ عطیہ اور تحفہ اگر اپنے کسی چھوٹے کو دیا جائے تو اس کے ساتھ اپنی شفقت کا اظہار ہے اگر کسی دوست کو دیا جائے تو یہ ازدیادِ محبت کا وسیلہ ہے اگر کسی ایسے شخص کو دیا جائے جس کی حالت کمزور ہے تو یہ اس کی خدمت کے ذریعہ اس کی تطییب خاطر کا ذریعہ ہے اور اگر اپنے کسی بزرگ اور محترم کو پیش کیا جائے تو ان کا اکرام ہے اور "نذرانہ" ہے۔

اگر کسی کو ضرورت مند سمجھ کر اللہ کے واسطے اور ثواب کی نیت سے دیا جائے تو یہ ہدیہ نہ ہوگا صدقہ ہوگا۔ ہدیہ جب ہی ہوگا جبکہ اس کے ذریعہ اپنی محبت اور اپنے تعلق خاطر کا اظہار مقصود ہو اور اس کے ذریعہ رضائے الہی مطلوب ہو۔

ہدیہ اگر اخلاص کے ساتھ دیا جائے تو اس کا ثواب صدقہ سے کم نہیں بلکہ بعض اوقات زیادہ ہوگا۔ ہدیہ اور صدقہ کے اس فرق کا نتیجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ شکریہ اور دعا کے ساتھ قبول فرماتے اور اس کو خود بھی استعمال فرماتے تھے۔ اور صدقہ کو بھی اگرچہ شکریہ کے ساتھ قبول فرماتے اور اس پر دعائیں بھی دیتے لیکن خود استعمال نہیں فرماتے تھے' دوسروں ہی کو مرحمت فرماتے تھے۔

افسوس ہے کہ امت میں باہم مخلصانہ ہدیوں کی لین دین کا رواج بہت ہی کم ہو گیا ہے۔ بعض خاص حلقوں میں بس اپنے بزرگوں' عالموں' مرشدوں کو ہدیہ پیش کرنے کا تو کچھ رواج ہے لیکن اپنے عزیزوں' قریبوں' پڑوسیوں وغیرہ کے ہاں ہدیہ بھیجنے کا رواج بہت ہی کم ہے حالانکہ قلوب

میں محبت والفت اور تعلقات میں خوشگواری اور زندگی میں چین وسکون پیدا کرنے اور اسی کے ساتھ رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے یہ رسول اللہ ﷺ کا بتلایا ہوا "نسخہ کیمیا" تھا۔ اس تمہید کے بعد ہدیہ سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ ذیل چند ارشادات پڑھئے!

ہدیہ دلوں کی کدورت دور کر کے محبت پیدا کرتا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ الضَّغَائِنَ. (رواه الترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "آپس میں ہدیے تحفے بھیجا کرو، ہدیے تحفے دلوں کے کینے ختم کر دیتے ہیں۔" (جامع ترمذی)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ وَلَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ شِقَّ فِرْسَنِ شَاةٍ. (رواه الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپس میں ہدیے تحفے دیا کرو، ہدیہ سینوں کی کدورت ورنجش دور کر دیتا ہے اور ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کے ہدیہ کے لئے بکری کے کھر کے ایک ٹکڑے کو بھی حقیر اور کمتر نہ سمجھے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) ہدیے تحفے دینے سے باہمی رنجشوں اور کدورتوں کا دور ہونا، دلوں میں جوڑ، تعلقات میں خوشگواری پیدا ہونا بدیہی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس زریں ہدایت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں جو یہ اضافہ ہے کہ ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کے لئے بکری کے کھر کے ٹکڑے کے ہدیہ کو بھی حقیر نہ سمجھے۔ اس سے حضور ﷺ کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ ہدیہ دینے کے لئے ضروری نہیں کہ بہت بڑھیا ہی چیز ہو، اگر اس کی پابندی اور اس کا اہتمام کیا جائے گا تو ہدیہ دینے کی نوبت بہت کم آئے گی۔ اس لئے بالفرض اگر گھر میں بکری کے پائے پکے ہیں تو پڑوسن کو بھیجنے کے لئے اس کے ایک ٹکڑے کو بھی حقیر نہ سمجھا جائے وہی بھیج دیا جائے۔

(واضح رہے کہ یہ ہدایت اس حالت میں ہے جب اطمینان ہو کہ پڑوسن خوشی کے ساتھ قبول کرے گی اور اس کو اپنی توہین وتذلیل نہ سمجھے گی، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ماحول ایسا ہی تھا۔)

ہدیہ کا بدلہ دینے کے بارے میں آپ ﷺ کا معمول اور آپ ﷺ کی ہدایت:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا.
(رواه البخارى)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول و دستور تھا کہ آپ ﷺ ہدیہ تحفہ قبول فرماتے تھے اور اس کے جواب میں خود بھی عطا فرماتے تھے۔
(صحیح بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو جب کوئی محب و مخلص ہدیہ پیش کرتا تو آپ ﷺ خوشی سے قبول فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد "هل جزاء الاحسان الا الاحسان" کے مطابق اس ہدیہ دینے والے کو خود بھی ہدیے اور تحفے سے نوازتے تھے (خواہ اسی وقت عنایت فرماتے یا دوسرے وقت) آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ آپ ﷺ نے اُمت کو بھی اس طرز عمل کی ہدایت فرمائی اور بلاشبہ مکارم اخلاق کا تقاضا یہی ہے لیکن افسوس ہے کہ امت میں بلکہ خواص امت میں بھی اس کریمانہ سنت کا اہتمام بہت کم نظر آتا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِ بِهِ وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ فَإِنَّ مَنْ أَثْنَى فَقَدْ شَكَرَ وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ تَحَلَّى بِمَا لَمْ يُعْطَ كَانَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُورٍ. (رواه الترمذى و ابو داؤد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو ہدیہ تحفہ دیا جائے تو اگر اس کے پاس بدلہ میں دینے کے لئے کچھ موجود ہو تو وہ اس کو دے دے اور جس کے پاس بدلہ میں تحفہ دینے کے لئے کچھ نہ ہو تو وہ (بطور شکریہ کے) اس کی تعریف کرے اور اس کے حق میں کلمہ خیر کہے، جس نے ایسا کیا اس نے شکریہ کا حق ادا کر دیا اور جس نے ایسا نہیں کیا اور احسان کے معاملہ کو چھپایا تو اس نے ناشکری کی۔ اور جو کوئی اپنے کو آراستہ دکھائے اس صفت سے جو اس کو عطا نہیں ہوئی تو وہ اس آدمی کی طرح ہے جو دھوکے فریب کے دو کپڑے پہنے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ جس کو کسی محب کی طرف سے ہدیہ تحفہ دیا جائے تو اگر ہدیہ پانے والا اس حال میں ہو کہ اس کے جواب اور صلہ میں ہدیہ تحفہ دے سکے تو ایسا ہی کرے اور اگر اس کی مقدرت نہ ہو تو اس کے حق میں کلمہ خیر کہے اور اس کے اس احسان کا دوسروں کے سامنے بھی تذکرہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو بھی شکر سمجھا جائے

گا۔ (اور آگے درج ہونے والی ایک حدیث سے معلوم ہو گا کہ "جزاك الله" کہنے سے بھی یہ حق ادا ہو جاتا ہے) اور جو شخص ہدیہ تحفہ پانے کے بعد اس کا اخفا کرے' زبان سے ذکر تک نہ کرے "جزاك الله" جیسا کلمہ بھی نہ کہے تو وہ کفرانِ نعمت اور ناشکری کا مرتکب ہو گا۔

حدیث کے آخری جملے "وَمَنْ تَحَلّٰى الخ" کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ جو شخص اپنی زبان یا طرزِ عمل یا خاص قسم کے لباس وغیرہ کے ذریعے اپنے اندر وہ کمال (مثلاً عالمیت یا مشیخت) ظاہر کرے جو اس میں نہیں ہے تو وہ اس دھوکہ باز اور فریبی بہروپیئے کی طرح ہے جو لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے باعزت اور باوقار لوگوں کا سا لباس پہنے۔ بعض شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ عرب میں کوئی شخص تھا جو نہایت گھٹیا اور ذلیل درجہ کا آدمی تھا لیکن وہ باعزت اور باوقار لوگوں کے سے نفیس اور شاندار کپڑے پہنتا تھا تاکہ اس کو معززین میں سمجھا جائے اور اس کی گواہی پر اعتبار کیا جائے' حالانکہ وہ جھوٹی گواہیاں دیتا تھا۔ اسی کو "لابس ثوبی زور" کہا گیا ہے۔ ہدیہ تحفہ سے متعلق مذکورہ بالا ہدایت کے ساتھ اس آخری جملہ کے فرمانے سے حضور ﷺ کا مقصد غالباً یہ ہے کہ کوئی شخص جس میں وہ کمالات اور وہ اوصاف نہ ہوں جن کی وجہ سے لوگ ہدیہ وغیرہ پیش کرنا سعادت سمجھتے ہیں۔ ایسا شخص اگر لوگوں کے ہدیے تحفے حاصل کرنے کے لئے اپنی باتوں اور اپنے لباس اور اپنے طرزِ زندگی سے وہ کمالات اور اوصاف اپنے لئے ظاہر کردے تو یہ فریب اور بہروپیا پن ہو گا اور یہ آدمی اس روایتی "لابس ثوبی زور" کی طرح مکار اور دھوکے باز ہو گا۔ واللہ اعلم۔

محسنوں کا شکریہ اور ان کے لئے دعائے خیر:

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ.

(رواه احمد والترمذى)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے احسان کرنے والے بندہ کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی شکریہ ادا نہیں کیا۔

(مسند احمد' جامع ترمذی)

(تشریح) بظاہر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ جس بندے کے ہاتھ سے کوئی ہدیہ تحفہ' کوئی نعمت ملے یا وہ کسی طرح کا بھی احسان کرے تو اس کا شکریہ ادا کیا جائے اور اس کے لئے کلمہ خیر کہا جائے' تو جس نے ایسا نہیں کیا اس نے خدا کی بھی ناشکری اور نافرمانی کی۔

بعض شارحین نے اس حدیث کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ جو احسان کرنے والے بندوں کا شکر گزار نہ ہو گا وہ ناشکری کی اس عادت کی وجہ سے اللہ کا بھی شکر گزار نہ ہو گا۔

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهِ جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ. (رواه الترمذی)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی پر کسی نے کوئی احسان کیا اور اس نے اس محسن کے لئے یہ کہہ کے دعا کی کہ "جزاک اللہ خیرا" (اللہ تعالیٰ تم کو اس کا بہتر بدلہ اور صلہ عطا فرمائے) تو اس نے (اس دعائیہ کلمہ ہی کے ذریعہ) اس کی پوری تعریف بھی کر دی۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) "جزاك الله خيرا" بظاہر صرف دعائیہ کلمہ ہے لیکن اللہ کا بندہ جب کسی احسان کرنے والے کے لئے اِن الفاظ میں دعا کرتا ہے تو گویا وہ اس کا اظہار و اعتراف کرتا ہے کہ میں اس کا بدلہ دینے سے عاجز ہوں بس میرا کریم پروردگار ہی تم کو اس کا اچھا بدلہ دے سکتا ہے میں اسی سے عرض و استدعا کرتا ہوں کہ تمہارے اس احسان کا وہ اپنی شانِ عالی کے مطابق بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ اس طرح اس دعائیہ کلمہ میں اس احسان کرنے والے کی تعریف اور اس کے احسان کی قدر شناسی بھی مضمر ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ أَتَاهُ الْمُهَاجِرُوْنَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا رَأَيْنَا قَوْمًا أَبْذَلَ مِنْ كَثِيْرٍ وَلَا أَحْسَنَ مُوَاسَاةً مِنْ قَلِيْلٍ مِنْ قَوْمٍ نَزَلْنَا بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ لَقَدْ كَفَوْنَا الْمُؤْنَةَ وَأَشْرَكُوْنَا فِي الْمَهْنَا حَتَّى لَقَدْ خِفْنَا أَنْ يَذْهَبُوْا بِالْأَجْرِ كُلِّهِ فَقَالَ لَا مَا دَعَوْتُمُ اللهَ لَهُمْ وَأَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِمْ. (رواه الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے (اور مہاجرین نے انصار کی میزبانی اور ان کے ایثار کا تجربہ کیا) تو ایک دن مہاجرین نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم نے کہیں ایسے لوگ نہیں دیکھے جیسے یہ لوگ ہیں جن کے ہاں آ کے ہم اترے ہیں (یعنی انصار مدینہ) زیادہ ہو تو اس کو (فراخ حوصلگی اور دریادلی سے ہماری میزبانی پر) خوب خرچ کرنے والے اور (کسی کے پاس) تھوڑا ہو تو اس سے بھی ہماری غم خواری اور مدد کرنے والے انہوں نے محنت مشقت کی ساری ذمہ داری ہماری طرف سے بھی اپنے ذمہ لے لی ہے اور منفعت میں ہم کو شریک کر لیا

ہے (ان کے اس غیر معمولی ایثار سے) ہم کو اندیشہ ہے کہ سارا اجر و ثواب انہی کے حصہ میں آجائے (اور آخرت میں ہم خالی ہاتھ رہ جائیں) آپ ﷺ نے فرمایا نہیں ایسا نہیں ہوگا جب تک اِس احسان کے عوض تم ان کے حق میں دعا کرتے رہو گے اور ان کے لئے کلمۂ خیر کہتے رہو گے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) جب رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کے مدینہ پاک تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ مہاجرین کی بھی اچھی خاصی جماعت تھی جو آپ ﷺ سے پہلے یا آپ ﷺ کے بعد اپنے اپنے گھر چھوڑ کے مدینہ طیبہ آئے تو جیسا کہ معلوم ہے ابتدائی ایام میں ان سب کو مدینہ طیبہ کے انصار نے لِلّٰہ فی اللّٰہ اپنا مہمان بنا لیا۔ کھیتی باڑی اور دوسرے کاموں میں خود محنت کرتے اور جو کچھ حاصل ہوتا اس میں مہاجرین کو شریک کر لیتے۔ ان انصار میں اچھے دولت مند بھی تھے اور نادار غربا بھی لیکن اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مہاجرین کی خدمت میں سب حصہ لیتے' جو دولت مند تھے وہ پوری دریا دلی سے مہاجرین پر اپنی دولت بے دریغ خرچ کرتے اور جو غربا تھے وہ بھی اپنا پیٹ کاٹ کے ان کی خدمت اور مہمان داری کرتے تھے۔ اس صورت حال سے مہاجرین کے دِلوں میں یہ خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انصار کے اس غیر معمولی ایثار و احسان کی وجہ سے ہماری ہجرت اور عبادات وغیرہ کا ثواب بھی ہمارے اِنہی محسن میزبانوں کے حصہ میں آجائے اور ہم خسارہ میں رہیں۔ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں اپنا یہ خدشہ عرض کیا تو آپ ﷺ نے اطمینان دلایا کہ ایسا نہ ہوگا' شرط یہ ہے کہ تم ان کے اس احسان کے عوض ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور دل و زبان سے ان کے احسان کا اعتراف اور شکر گزاری کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اتنے ہی عمل کو ان کے احسان کے بدلے اور شکریے کے طور پر قبول فرمالے گا اور تمہاری طرف سے ان کے اس احسان و ایثار کا پورا بدلہ اپنے خزانۂ کرم سے عطا فرمائے گا۔

وہ چیزیں جن کا ہدیہ قبول ہی کرنا چاہئے:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عُرِضَ عَلَيْهِ رَيْحَانٌ فَلَا يَرُدَّهُ فَاِنَّهُ خَفِيْفُ الْمَحْمَلِ طَيِّبُ الرِّيْحِ. (رواه مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی کو ہدیہ کے طور پر خوشبودار پھول پیش کیا جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کو بھی قبول ہی کرے رَد نہ کرے کیونکہ وہ بہت ہلکی اور کم قیمت چیز ہے اور اس کی خوشبو باعثِ فرحت ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) پھول جیسی کم قیمت چیز قبول کرنے سے اگر انکار کیا جائے تو اس کا بھی اندیشہ ہے کہ بے چارے پیش کرنے والے کو خیال ہو کہ میری چیز کم قیمت ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کی گئی اور اس سے اس کی دل شکنی ہو۔

اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ "جس کو خوشبودار پھول کا ہدیہ دیا جائے وہ واپس نہ کرے کیونکہ خوشبودار پھول جنت کا تحفہ ہے اور صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے خود حضور ﷺ کا یہ معمول بھی منقول ہے کہ "آپ ﷺ خوشبو کا ہدیہ واپس نہیں فرماتے تھے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ لَا تُرَدُّ الْوَسَائِدُ وَالدُّهْنُ وَاللَّبَنُ. (رواه الترمذى)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں (بالخصوص) ایسی ہیں جن کو رد نہیں کرنا چاہئے' قبول ہی کر لینا چاہئے۔ تکیہ' اور تیل اور دودھ۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) ان تینوں چیزوں کی خصوصیت یہی ہے کہ دینے والے پر ان کا زیادہ بار نہیں پڑتا اور جس کو دی جائیں وہ ان کو استعمال کر کے ان سے فائدہ اٹھاتا ہے جس سے دینے والے کا جی خوش ہوتا ہے۔ اور بھی جو چیزیں اس حیثیت کی ہوں ان کو بھی انہی پر قیاس کر لینا چاہیے۔

ہدیہ دے کر واپس لینا بڑی مکروہ بات:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ يُّعْطِىَ عَطِيَّةً ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْهَا اِلَّا الْوَالِدُ فِيْمَا يُعْطِىْ وَلَدَهٗ وَمَثَلُ الَّذِىْ يُعْطِى الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْهَا كَمَثَلِ الْكَلْبِ اَكَلَ حَتّٰى اِذَا شَبِعَ قَاءَ ثُمَّ عَادَ فِىْ قَيْئِهٖ.
(رواه ابو داؤد والترمذى والنسائى و ابن ماجه)

حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی آدمی کے لئے یہ جائز اور درست نہیں ہے کہ وہ کسی کو کوئی چیز عطیہ کے طور پر دے پھر اس کو واپس لے۔ ہاں اگر باپ اپنی اولاد کو کچھ دے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے (یعنی اس کے لئے واپسی کی گنجائش ہے۔ کیونکہ اولاد پر باپ کا ہر طرح کا حق ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ہدیہ اور عطیہ کی واپسی کی قباحت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ) جو شخص ہدیہ

اور عطیہ دے کر واپس لے اس کی مثال اس کتے کی سی ہے کہ اس نے ایک چیز کھائی' یہاں تک کہ جب خوب پیٹ بھر گیا تو اس کو قے کر کے نکال دیا' پھر اپنی اسی قے ہی کو کھانے لگا۔

(سنن ابی داؤد' جامع ترمذی' سنن نسائی' سنن ابن ماجہ)

(تشریح) ہدیہ دے کر واپس لینے کے لئے اس سے زیادہ صحیح اور مؤثر کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔

کن لوگوں کو ہدیہ لینا منع ہے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدَايَا الْإِمَامِ غُلُوْلٌ.

(رواه الطبرانی فی الاوسط)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ امام وقت (یعنی حاکم اور فرمانروا) کے ہدیے "غلول" (یعنی ایک طرح کی خیانت و رشوت اور ناجائز استحصال کے قبیل سے) ہیں۔ (معجم اوسط للطبرانی)

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَفَعَ لِاَحَدٍ شَفَاعَةً فَاَهْدٰى لَهٗ هَدِيَّةً عَلَيْهَا فَقَبِلَهَا فَقَدْ اَتٰى بَابًا عَظِيْمًا مِنْ اَبْوَابِ الرِّبَا.

(رواه ابو داؤد)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی شخص کے لئے (کسی معاملہ میں) سفارش کی تو اگر اس شخص نے اس سفارش کرنے والے کو کوئی ہدیہ پیش کیا اور اس نے وہ ہدیہ قبول کر لیا تو وہ سود کی ایک بڑی خراب قسم کے گناہ کا مرتکب ہوا۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) حضرت جابر اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہما کی ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ہدیہ وہی قابلِ قبول ہے جو اخلاص کے ساتھ ہو اور غلط قسم کے اغراض کا شبہ اور شائبہ بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو توفیق دے کہ رسول اللہ ﷺ کی لین دین کے سلسلہ کی ان تمام ہدایات کی روح کو سمجھیں اور ان کی پابندی اور پیروی کو اپنی زندگی کا اُصول بنائیں۔

وقف فی سبیل اللہ

ہدیہ اور صدقہ و خیرات جیسے باعثِ ثواب مالی معاملات و تصرفات میں سے ایک وقف بھی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ عرب کے لوگ رسول اللہ ﷺ سے پہلے وقف کے تصور اور طریقہ سے واقف نہیں تھے، آپ ﷺ ہی نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی سے اس کی تعلیم و ترغیب دی۔ وقف کی حقیقت یہ ہے کہ جائیداد جیسی باقی رہنے والی اپنی کوئی مالیت، جس کا نفع جاری رہنے والا ہو اپنی طرف سے مصارف خیر کے لئے محفوظ کر دی جائے۔ اس کی پیداوار یا آمدنی وقف کرنے والے کی منشاء کے مطابق ایک یا ایک سے زیادہ مصارف خیر میں صرف ہوتی رہے، اور خود وقف کرنے والا اپنے مالکانہ حق تصرف سے ہمیشہ کے لئے دست بردار ہو جائے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھی جائیں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ اَصَابَ اَرْضًا بِخَيْبَرَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَصَبْتُ اَرْضًا بِخَيْبَرَ لَمْ اُصِبْ مَالًا قَطُّ اَنْفَسَ عِنْدِيْ مِنْهُ فَمَا تَاْمُرُنِيْ بِهٖ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ حَبَّسْتَ اَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ اَنَّهٗ لَا يُبَاعُ اَصْلُهَا وَلَا يُوْهَبُ وَلَا يُوْرَثُ وَتَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَاءِ وَفِي الْقُرْبٰى وَ فِي الرِّقَابِ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَالضَّيْفِ لَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَلِيَهَا اَنْ يَّاْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوْفِ اَوْيُطْعِمَ غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ.

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ میرے والد ماجد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی، تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی ہے (وہ نہایت نفیس اور قیمتی ہے) اس سے بہتر کوئی مالیت میں نے نہیں پائی، آپ ﷺ اس بارے میں مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو ایسا کرو کہ اصل زمین کو محفوظ (یعنی وقف) کر دو اور (اس کی پیداوار اور آمدنی کو) صدقہ قرار دے دو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو (اسی طرح وقف کر دیا اور) فی سبیل اللہ صدقہ قرار دے دیا اور طے فرما دیا کہ یہ زمین نہ کبھی بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے نہ اس میں وراثت جاری ہو، اور اس کی آمدنی اللہ کے واسطے خرچ ہو

فقیروں مسکینوں اور اہلِ قرابت پر اور غلاموں کو آزاد کرانے کی مد میں اور جہاد کے سلسلہ میں اور مسافروں اور مہمانوں کی خدمت میں۔ اور جو شخص اس کا متولی اور منتظم ہو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ مناسب حد تک اس میں سے خود کھائے اور کھلائے بشرطیکہ اس کے ذریعہ مال جوڑنے اور مالدار بننے والا نہ ہو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(تشریح) یہ حدیث وقف کے باب میں اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ ۷ھ میں خیبر جنگ کے نتیجہ میں فتح ہوا تھا، وہاں کی زمین عام طور سے بڑی زرخیز تھی، فتح کے بعد اس کی زمینوں کا قریباً نصف حصہ رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین میں تقسیم کردیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں جو قطعہ زمین آیا انہوں نے محسوس کیا کہ میری ساری مالیت میں وہ نہایت قیمتی اور گرانقدر چیز ہے۔ اور قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" (تم نیکی اور مقبولیت کا مقام اس وقت تک حاصل نہیں کرسکو گے جب تک کہ اپنی محبوب و مرغوب چیزیں راہِ خدا میں صرف نہ کردو گے) اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ آیا کہ خیبر کی یہ جائیداد جو میرے حصہ میں آئی ہے اور اس سے بہتر قیمتی کوئی چیز میرے پاس نہیں ہے میں اس کو فی سبیل اللہ خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور سعادت حاصل کرلوں۔ لیکن خود فیصلہ نہیں کرسکے کہ اس کے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی میرے لئے سب سے بہتر صورت کیا ہے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں رہنمائی چاہی۔ تو آپ ﷺ نے ان کو وقف کرنے کا مشورہ دیا تاکہ وہ صدقہ جاریہ رہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو وقف کردیا اور اس کے مصارف بھی متعین فرمادیئے۔ یہ مصارف قریب قریب وہی ہیں جو قرآن پاک میں زکوٰۃ کے بیان میں فرمائے گئے ہیں۔ (سورۂ توبہ آیت: ۶۰)

آخر میں وقف کے متولی اور اس کا انتظام و اہتمام کرنے والے کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنی دولت میں اضافہ کرنے کے لئے تو اس میں سے کچھ نہ لے لیکن کھانے پینے اور اپنے اہل و عیال اور مہمانوں وغیرہ کو کھلانے کے لئے اس میں سے بحد مناسب لے سکتا ہے، یہ اس کے لئے جائز ہے۔

(شریعت کے دوسرے ابواب کی طرح وقف کے مسائل بھی کتب فقہ میں دیکھے جائیں)

عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّىْ مَاتَتْ فَاَىُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ ؟ قَالَ الْمَاءُ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ. (رواه ابو داؤد والنسائی)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے' (میں ان کے لئے کچھ صدقہ کرنا چاہتا ہوں) تو کونسا صدقہ زیادہ بہتر اور زیادہ ثواب کا ذریعہ ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا پانی (یعنی کہیں کنواں بنوا دینا اور اس کو وقفِ عام کر دینا جس سے اللہ کے بندے اپنی پینے وغیرہ کی ضرورتوں کے لئے پانی حاصل کرتے رہیں) چنانچہ انہوں نے ایک کنواں کھدوا اور بنوادیا اور کہا کہ یہ میری والدہ ام سعد کے لئے ہے (کہ اس کا ثواب ان کو پہنچا کرے)۔ (سنن ابی داود، سنن نسائی)

(تشریح) اس واقعہ کی بعض روایات میں یہ تفصیل ذکر کی گئی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ کی والدہ کا جب انتقال ہوا تو وہ سفر میں تھے' سفر سے واپسی پر وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری عدم موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہو گیا' میرا خیال ہے کہ اگر میں موجود ہوتا تو وہ اپنی آخرت کے لئے صدقہ وغیرہ کی وصیت کرتیں۔ اب میں ان کے ایصال ثواب کے لئے صدقہ کرنا چاہتا ہوں تو کس طرح کا صدقہ بہتر اور ان کے حق میں زیادہ ثواب کا باعث ہو گا؟ آپ ﷺ نے ان کو کنواں بنوا دینے کا مشورہ دیا' چنانچہ انہوں نے ایسی جگہ پر جہاں اس کی ضرورت تھی' کنواں بنوایا اور اپنی والدہ کے نام پر یعنی ان کے ایصال ثواب کے لئے اس کو وقف کر دیا۔ بعض روایات میں باغ وقف کرنیکا بھی ذکر ہے' ہو سکتا ہے کہ اسی باغ میں کنواں بنوایا ہو۔

حضور ﷺ کے زمانہ میں اور آپ ﷺ کی ہدایت پر وقف کی یہ دوسری مثال ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی مرنے والے کو ثواب پہنچانے کی نیت سے کوئی نیک کام کرنا صحیح ہے اور ایصال ثواب کا نظریہ برحق ہے اور اصولی درجہ میں اس پر آئمہ اہلِ سنت کا اتفاق ہے۔

عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ حَزْنٍ الْقُشَيْرِيِّ قَالَ شَهِدْتُ الدَّارَحِيْنَ اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ عُثْمَانُ قَالَ أَنْشِدُكُمُ اللهَ وَالْإِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ يُسْتَعْذَبُ غَيْرُ بِيْرِ رُوْمَةَ فَقَالَ مَنْ يَّشْتَرِيْ بِيْرَ رُوْمَةَ يَجْعَلُ دَلْوَهُ مَعَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ بِخَيْرٍ لَهُ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِيْ وَاَنْتُمُ الْيَوْمَ تَمْنَعُوْنَنِيْ اَنْ اَشْرَبَ مِنْهَا حَتّٰى اَشْرَبَ مِنْ مَاءِ الْبَحْرِ فَقَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ...... فَقَالَ أَنْشِدُكُمُ اللهَ وَالْإِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْمَسْجِدَ ضَاقَ بِاَهْلِهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّشْتَرِيْ بُقْعَةَ اٰلِ فُلَانٍ فَيَزِيْدَهَا فِي الْمَسْجِدِ بِخَيْرٍ لَهُ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِيْ فَاَنْتُمُ الْيَوْمَ

تَمْنَعُوْنَنِیْ اَنْ اُصَلِّیَ فِیْهِ رَكْعَتَیْنِ فَقَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اَنْشُدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اِنِّیْ جَهَّزْتُ جَيْشَ الْعُسْرَةِ مِنْ مَالِیْ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اَنْشُدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلٰى ثَبِيْرِ مَكَّةَ وَ مَعَهٗ اَبُوْ بَكْرٍ وَ عُمَرُ وَاَنَا فَتَحَرَّكَ الْجَبَلُ حَتّٰى تَسَاقَطَتْ حِجَارَةٌ بِالْحَضِيْضِ فَرَكَضَهٗ بِرِجْلِهٖ قَالَ اُسْكُنْ ثَبِيْرُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِیٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ، قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ شَهِدُوْا وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ اَنِّیْ شَهِيْدٌ ثَلٰثًا.

(رواہ الترمذی والنسائی)

ثمامہ بن حزن قشیری (تابعی) نے بیان کیا کہ میں اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے قریب موجود تھا (جب باغیوں کے لشکر نے ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا) تو انہوں نے مکان کے اوپر سے ان کو دیکھا اور مجمع سے مخاطب ہو کر کہا، میں تم کو اللہ اور اسلام کا واسطہ دیتا ہوں اور تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ بات تمہارے علم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو "بیر رومہ" کے علاوہ میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہیں تھا (اور وہ کسی شخص کی ملکیت تھا) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی ہے اللہ کا بندہ جو بیر رومہ کو خرید کے عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دے کہ اس کی طرح عام مسلمانوں کو اس سے پانی لینے کا حق ہو اور اللہ تعالیٰ جنت میں اس کو اس سے بہتر دے، تو میں نے اپنی ذاتی رقم سے اس کو خرید لیا (اور وقفِ عام کر دیا) اور آج تم مجھے اس کا پانی بھی نہیں پینے دیتے اور مجبور کرتے ہو کہ سمندر کا سا کھاری پانی پیوں..... لوگوں نے جواب دیا کہ ہاں خداوندا! (ہم کو اس کا علم ہے) اس کے بعد حضرت عثمان نے کہا کہ میں تم کو اللہ کا اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ مسجد نبوی نمازیوں کے لئے بہت تنگ ہو گئی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا کہ اللہ کا کوئی بندہ ہے جو فلاں گھرانے کی زمین کا قطعہ (جو مسجد کے قریب ہے) خرید کے مسجد میں شامل کر دے، تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ جنت میں اس سے بہتر اس کو عطا فرمائے، تو میں نے اپنی ذاتی رقم سے اس کو خرید لیا تھا (اور مسجد میں شامل کر دیا تھا) اور آج تم لوگ مجھے اس میں دو رکعت نماز بھی نہیں پڑھنے دیتے ہو۔ تو انہوں نے اس کے جواب میں کہا کہ خداوندا! یہ بھی ہمارے علم میں ہے اس کے بعد حضرت عثمان نے کہا کہ کیا تم لوگوں کو اس کا علم ہے کہ (رسول اللہ ﷺ کی ترغیب و ایماء پر) تبوک کے لشکر کا ساز و سامان میں نے اپنی ذاتی رقم سے کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ خداوندا یہ بھی ہمارے علم میں ہے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں خدا کا اور اسلام کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ واقعہ تمہارے علم میں ہے کہ

رسول اللہ ﷺ ایک دن مکہ کے پہاڑ ثبیر پر تھے اور آپ ﷺ کی ساتھ ابو بکر اور عمر تھے اور میں بھی تھا تو پہاڑ ہلنے لگا یہاں تک کہ کچھ پتھر اس کے نیچے گر گئے تو آپ ﷺ نے اس پر اپنے قدم شریف سے ضرب لگائی اور فرمایا ثبیر ساکن ہو جا! تیرے اوپر ایک نبی ہے ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔ (حضرت عثمان کی اس بات کے جواب میں بھی) لوگوں نے کہا کہ خداوندا! ہاں ہم کو اس کا بھی علم ہے۔ اس وقت حضرت عثمان نے کہا "اللہ اکبر! رب کعبہ کی قسم یہ لوگ بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ میں شہید ہوں۔" یہ بات حضرت عثمانؓ نے تین دفعہ فرمائی۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

(تشریح) اس حدیث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دو وقفوں کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ترغیب اور اپیل پر آپؓ نے کئے۔ پہلے بیر رومہ کا وقف جو غالباً اسلام میں سب سے پہلا وقف ہو گا کیونکہ وہ اس وقت عمل میں آیا جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، اس سے پہلے مکہ معظمہ میں کسی وقف کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرا وقف اس زمین کا جو انہوں نے خرید کر مسجد نبوی میں شامل کی۔

یہ حدیث جیسا کہ ظاہر ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کے باب کی ہے اور اکثر کتب حدیث میں اسی باب کے تحت درج کی گئی ہے لیکن چونکہ اس میں حضرت عثمان کے دو وقفوں کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ترغیب پر کئے گئے تھے اس لئے یہاں اس کا درج کرنا مناسب سمجھا گیا۔

اس حدیث میں عبرت کا بڑا سامان ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ان فضائل و مناقب اور ان کارناموں سے اور ان بشارتوں سے جو رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں دی تھیں۔ ان کے زمانہ کے لوگ عام طور سے واقف تھے۔ اور یہ باتیں ایسی مشہور و مسلم تھیں کہ کسی کو انکار کی مجال نہیں تھی لیکن جن لوگوں پر شیطان سوار تھا اور جن کے لئے شقاوت مقدر ہو چکی تھی انہوں نے اس سب کے باوجود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نہایت ظالمانہ طریقہ سے شہید کیا۔ اور پھر امت پر اس کا اجتماعی عذاب یہ آیا کہ باہم قتل و قتال کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑا۔

وصیت

مالی معاملات و تصرفات کے ابواب میں سے ایک "وصیت" کا باب بھی ہے۔ وصیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص جس کے پاس جائیداد یا کسی شکل میں سرمایہ ہو' وہ یہ طے کر دے کہ میری فلاں جائیداد یا سرمایہ کا اتنا حصہ میرے انتقال کے بعد فلاں مصرف خیر میں صرف کیا جائے یا فلاں شخص کو دے دیا جائے۔ شریعت میں اس طرح کی وصیت کو قانونی حیثیت حاصل ہے' اور اس کے خاص شرائط اور احکام ہیں جن میں سے بعض ذیل میں درج ہونے والی حدیثوں سے بھی معلوم ہوں گے اور مزید تفصیلی احکام کتب فقہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اپنے متروکہ مال کے بارے میں اس طرح کی وصیت اگر لوجہ اللہ اور ثواب آخرت کی نیت سے کی گئی ہے تو ایک طرح کا صدقہ ہے اور شریعت میں اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ اور اگر کسی کے پاس کسی کی کوئی چیز امانت کے طور پر رکھی ہے' یا اس پر کسی شخص کا قرض ہے یا کسی طرح کا حق ہے تو اس کی واپسی اور ادائیگی کی وصیت کرنا واجب ہے اور جو بھی وصیت ہو اس کو لکھ کر محفوظ کر دینا چاہئے۔ اس باب کی چند حدیثیں ذیل میں مطالعہ کی جائیں۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَقُّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْئٌ يُوْصٰى فِيْهِ يَبِيْتُ لَيْلَتَيْنِ اِلَّا وَ وَصِيَّتُهُ مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَهُ.

(رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی ایسے مسلمان بندے کے لئے جس کے پاس کوئی ایسی چیز (جائیداد یا سرمایہ یا امانت اور قرض وغیرہ) ہو جس کے بارے میں وصیت کرنی چاہئے تو درست نہیں کہ وہ دو راتیں گزار دے' مگر اس حال میں کہ اس کا وصیت نامہ لکھا ہوا اس کے پاس ہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ وصیت کرنے اور وصیت نامہ لکھنے یا لکھانے کے لئے اس کا انتظار نہیں کرنا چاہیے کہ جب موت قریب نظر آئے گی اس وقت وصیت کر دیں گے۔ بلکہ ہر مرد مومن کو چاہئے کہ وہ ہر وقت موت کو قریب سمجھے اور اپنا وصیت نامہ تیار رکھے' دو دن بھی ایسے گزرنے نہیں چاہئیں کہ وصیت نامہ موجود نہ ہو۔

مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ میں سستی اور تاخیر نہ کی جائے۔ معلوم نہیں کہ موت کا فرشتہ

کس وقت آجائے۔ حضرت ابن عمر سے اس حدیث کی روایت کرنے والے ان کے خادم نافع کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ ارشاد سننے کے بعد ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ میرا وصیت نامہ میرے پاس نہ ہو۔

افسوس ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت پر عمل کا رواج اُمت میں اب بہت ہی کم ہے۔ بس خواص بلکہ اخص الخواص کو اس کی توفیق ہوتی ہے' حالانکہ اس میں دنیوی لحاظ سے بھی بہت خیر ہے' وصیت نامہ کے ذریعہ عزیزوں' قریبوں اور وارثوں کے درمیان بعد میں اُٹھنے والے بہت سے نزاعات اور جھگڑوں کا بھی انسداد ہو سکتا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ عَلٰى وَصِيَّةٍ مَاتَ عَلٰى سَبِيْلٍ وَ سُنَّةٍ وَمَاتَ عَلٰى تُقًى وَ شَهَادَةٍ وَ مَاتَ مَغْفُوْرًا لَهُ. (رواه ابن ماجه)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے وصیت کی حالت میں انتقال کیا (یعنی اس حالت میں جس کا انتقال ہوا کہ اپنی مالیت اور معاملات وغیرہ کے بارے میں جو وصیت اس کو کرنی چاہیے تھی وہ اس نے کی اور صحیح اور لوجہ اللہ کی) تو اس کا انتقال ٹھیک راستہ پر اور شریعت پر چلتے ہوئے ہوا اور اس کی موت تقویٰ اور شہادت والی موت ہوئی اور اس کی مغفرت ہو گئی۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث میں وصیت کرنے کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے وہ کسی تشریح کی محتاج نہیں۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُنِيْ وَاَنَا بِمَكَّةَ وَهُوَ يَكْرَهُ اَنْ يَّمُوْتَ بِالْاَرْضِ الَّتِيْ هَاجَرَ مِنْهَا' فَقَالَ يَرْحَمُ اللهُ ابْنَ عَفْرَاءَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ اُوْصِيْ بِمَا لِيْ كُلِّهِ؟ قَالَ لَا قُلْتُ فَالشَّطْرَ؟ قَالَ لَا' قُلْتُ فَالثُّلُثُ؟ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ اِنَّكَ اَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ اَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ فِيْ اَيْدِيْهِمْ وَاِنَّكَ مَهْمَا اَنْفَقْتَ مِنْ نَفَقَةٍ فَاِنَّهَا صَدَقَةٌ حَتَّى اللُّقْمَةَ الَّتِيْ تَرْفَعُهَا اِلٰى فِيْ اِمْرَاَتِكَ وَعَسَى اللهُ اَنْ يَرْفَعَكَ فَيَنْتَفِعَ بِكَ نَاسٌ وَيُضَرَّ بِكَ اٰخَرُوْنَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ يَوْمَئِذٍ اِلَّا ابْنَتَهُ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں

(سخت مریض ہوا) تو رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے اور میں اس بات کو بہت برا سمجھتا تھا کہ میری موت مکہ کی اس سرزمین میں ہو جس سے میں ہجرت کر چکا ہوں (اور جس کو اللہ کے لئے ہمیشہ کے واسطے چھوڑ چکا ہوں) تو رسول اللہ ﷺ نے (دعا کے طور پر مجھے تسلی دینے کے لئے) ارشاد فرمایا کہ اللہ رحمت فرمائے عفراء کے بیٹے (سعد) پر (حضرت سعد کی والدہ کا نام یا لقب عفراء تھا) میں نے آپ ﷺ سے (بطور استفسار کے عرض کیا کہ (حضرت کی کیا رائے ہے) میں اپنی ساری دولت کو (فی سبیل اللہ اور مصارف خیر میں) صرف کرنے کی وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں (ایسا نہ کرو) میں نے عرض کیا کہ پھر آدھی دولت کے بارے میں یہ وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں (اتنا بھی نہیں) میں نے عرض کیا کہ تو پھر تہائی کے لئے وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں تہائی کی وصیت کر دو، اور تہائی بھی بہت ہے۔ (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ) تمہارے لئے یہ بات کہ تم اپنے وارثوں کو خوش حال چھوڑ کے جاؤ، اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو مفلسی اور تنگ دستی کی حالت میں چھوڑ کے جاؤ کہ وہ (اپنی ضروریات کے لئے) دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ اور تم جو کچھ بھی (لوجہ اللہ اور ثواب کی نیت سے) خرچ کرو گے (اگرچہ وہ خرچ اپنے عزیزوں، قریبوں اور وارثوں پر ہو) تو وہ تمہاری طرف سے "صدقہ" ہو گا، حتی کہ جو لقمہ تم اپنے ہاتھ سے اُٹھا کے اپنی بیوی کے منہ میں دو گے (وہ بھی عند اللہ تمہارا صدقہ ہو گا) آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے اس کی امید ہے کہ وہ تم کو اس مرض سے صحت و شفا دے کر) مستقبل میں تم کو بلند مرتبہ پر پہنچائے پھر تم سے بہت سے بندگانِ خدا کو نفع پہنچے گا اور بہت لوگوں کو نقصان۔ (اس حدیث کو حضرت سعد سے روایت کرنے والے (ان کے صاحبزادے عامر بن سعد) کہتے ہیں کہ جس زمانہ کا یہ واقعہ ہے) اس زمانے میں حضرت سعد کے صرف ایک بیٹی تھیں (اس کے علاوہ کوئی اولاد نہیں تھی) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حجۃ الوداع کے سفر میں یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے مکہ معظمہ میں یہ سخت بیمار پڑے، اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں "اشفیت علی الموت" یعنی میں گویا موت کے کنارہ پہنچ گیا تھا اور چونکہ وہ مہاجرین میں سے تھے اس لئے یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ جس مکہ کو وہ اللہ کے لئے چھوڑ چکے ہیں اور ہجرت کر چکے ہیں وہاں ان کا انتقال ہو اور اس کی سرزمین میں دفن ہوں۔ رسول اللہ ﷺ جب اُن کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور ان کی یہ فکر اور پریشانی آپ ﷺ کے علم میں آئی تو آپ ﷺ نے "یرحم اللہ ابن عفراء" کہہ کر ان کے لئے دعا کی اور تسلی دی، پھر حضرت

سعد نے (جو دولت مند صحابہ میں سے تھے) آپ ﷺ سے اپنے مال و دولت کے بارے میں وصیت سے متعلق دریافت کیا (اس حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے صراحت کے ساتھ حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ کی دی ہوئی میرے پاس بہت دولت ہے اور میری صرف ایک بیٹی ہے) میں اپنی آخرت بہتر بنانے کے لئے سوچتا ہوں کہ اپنی ساری دولت کے لئے وصیت کر جاؤں کہ وہ فی سبیل اللہ مصارف خیر میں صَرف کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی، پھر آدھی دولت کے لئے ایسی وصیت کرنے کی بھی اجازت نہیں دی، صرف تہائی کی اجازت دی اور فرمایا کہ تہائی بھی بہت ہے۔" اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کو یہ بھی بتلایا کہ عند اللہ اور تمہاری آخرت کے لئے بھی یہی بہتر ہے کہ تم تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کرو۔ عزیزوں، قریبوں پر خرچ کرنا اور وارثوں کے لئے چھوڑنا بھی عند اللہ صدقہ ہے۔ (بشر طیکہ رضائے الٰہی اور ثواب کی نیت ہو، اس حدیث کی بعض روایات میں اس شرط کی صراحت ہے) اسی سلسلہ میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ حتیٰ کہ اس نیت کے ساتھ اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ دینے میں بھی تمہارے لئے ثواب ہے حالانکہ اس میں حظِ نفس بھی ہے۔

سب سے آخر میں آپ نے جو فرمایا کہ "عسى الله ان يرفعك الخ" یہ حضرت سعد کے حق میں ایسی پیشین گوئی تھی جس کا اس وقت کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ابھی تم سے بہت کام لینا ہے، تم انشاء اللہ اس مرض سے صحت یاب ہو کر اُٹھ جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ تم کو ایسے بلند مرتبہ پر پہنچائے گا کہ تمہارے ہاتھوں قوموں کی تقدیریں بنیں گی اور بگڑیں گی۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں ۱۰ھ میں ایسی حالت میں ارشاد فرمائی تھی کہ حضرت سعد اپنے کو موت کے کنارے پر سمجھ رہے تھے لیکن حضور ﷺ کی یہ پیشین گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ حضرت سعد اس کے بعد قریباً آدھی صدی تک اس دنیا میں رہے اور اللہ نے ان کو یہ بلند مرتبہ بخشا کہ حکومت فارس کے قریباً سارے زیرِ اقتدار علاقے اِنہی کی قیادت میں فتح ہو کر اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے اور اللہ کے لاکھوں بندوں کو اسلام کی دولت نصیب ہوئی، پھر وہ عراق کے حاکم بھی رہے اور ۵۵ھ میں اور ایک روایت کے مطابق ۵۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ حضرت سعد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشین گوئی اور اس کا اس طرح ظہور میں آنا بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔

اس حدیث سے "وصیت" کے بارے میں یہ اصولی حکم معلوم ہوا کہ جس شخص کے وارث

ہوں اس کو فی سبیل اللہ اور مصارف خیر کے لئے بھی اپنے تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنی جائز نہیں، اس پر امت کے آئمہ و علماء کا تقریباً اتفاق ہے۔ ہاں اپنی زندگی میں فی سبیل اللہ اور مصارف خیر میں جو کچھ خرچ کرنا چاہے کر سکتا ہے، تہائی کی یہ قید موت کے بعد سے متعلق وصیت ہی کے بارے میں ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا یہ واقعہ حجۃ الوداع کے سفر کا ہے جو ۱۰ھ کے اواخر میں ہوا تھا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متعدد روایات میں اس کی صراحت ہے لیکن ترمذی کی ایک روایت میں اس کو فتح مکہ والے سفر کا واقعہ بتلایا گیا ہے۔ جو ۸ھ میں ہوا تھا۔ محدثین کا اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ ترمذی کی روایت میں ایک راوی کو سہو ہوا ہے، جس کو محدثین کی اصطلاح میں "وہم" کہا جاتا ہے۔[1]

عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِىْ خُطْبَتِهِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اِنَّ اللهَ اَعْطٰى كُلَّ ذِىْ حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ.

(رواه ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حجۃ الوداع کے سال رسول اللہ ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ ﷺ نے اس میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے (اپنی کتاب پاک میں وارثوں میں سے) ہر صاحب حق کو اس کا حصہ عطا فرمادیا ہے۔ لہٰذا اب کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے بعد جب معاشرت وغیرہ سے متعلق احکام کا نزول شروع ہوا تو ابتداً سورۂ بقرہ کی آیت ۱۸۰ (كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ. الآیۃ) کے ذریعے یہ حکم دیا گیا تھا کہ جس شخص کے پاس کچھ مال و دولت ہو اس کو چاہئے کہ مرنے سے پہلے اپنے ماں باپ اور دوسرے قریبی عزیزوں کے لئے وہ مناسب طریقہ پر وصیت کر جائے۔ اس کے کچھ مدت بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے وراثت کا مفصل قانون سورۃ النساء میں نازل فرمادیا گیا، اس طرح وصیت کا پہلا حکم کم از کم شرعی وارثوں کے حق میں منسوخ

---

[1] اس کی تفصیل فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب الوصایا میں دیکھی جاسکتی ہے...... یہاں اس بات کا ذکر کر دینا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی اس حدیث کے بارہ میں مشکوٰۃ المصابیح میں بھی ایک سہو ہوا ہے، اور وہ یہ کہ جامع ترمذی کی اس روایت کو جس میں اس واقعہ کو "فتح مکہ" کے سفر کا واقعہ بتلایا گیا ہے، فصل اول میں درج کر دیا گیا ہے اور متفق علیہ (یعنی صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایت) قرار دیا گیا ہے حالانکہ جیسا عرض کیا گیا وہ روایت صحیحین میں نہیں ہے، جامع ترمذی میں ہے۔

ہو گیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں جہاں اور بہت سے ضروری احکام کا اعلان فرمایا وہاں یہ اعلان بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وراثت کا قانون نازل فرما کر سب وارثوں کا حق مقرر فرمادیا ہے لہٰذا اب کسی وارث کے لئے وصیت نہ کی جائے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں اسی کا ذکر فرمایا اور "مشکوٰۃ المصابیح" میں حضرت ابو امامہؓ کی مندرجہ بالا حدیث سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد آخر میں یہ اضافہ ہے۔

وَفِي رِوَايَةِ الدَّارَقُطْنِيِّ قَالَ لَا تَجُوزُ وَصِيَّةٌ لِوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يَّشَاءَ الْوَرَثَةُ.

اور دار قطنی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اب کسی وارث کیلئے وصیت جائز (اور نافذ) نہیں، الا یہ کہ دوسرے وارث چاہیں اور راضی ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے شرعی وارث اس پر راضی ہو جائیں کہ مورث کسی وارث کے حق میں (اس کے شرعی حصے کے علاوہ مزید کی) وصیت کردے اور ان کو اس پر اعتراض نہ ہو تو یہ صیت جائز اور نافذ ہو جائے گی۔ (بشرطیکہ یہ دوسرے وارث عاقل بالغ ہوں)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالْمَرْأَةُ بِطَاعَةِ اللهِ سِتِّيْنَ سَنَةً ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا الْمَوْتُ فَيُضَارَّانِ فِي الْوَصِيَّةِ فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ. (رواه احمد والترمذی و ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (کبھی ایسا ہوتا ہے) کوئی مرد یا کوئی عورت ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والی زندگی گزارتے رہتے ہیں، پھر جب اُن کی موت کا وقت آتا ہے تو وصیت میں (حق داروں کو) نقصان پہنچادیتے ہیں (تو اس ظلم اور حقدار بندوں کی اس حق تلفی کی وجہ سے) ان کے لئے دوزخ واجب ہو جاتی ہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے شرعی وارث موجود ہیں جو اللہ کے مقرر کئے ہوئے قانون کے مطابق اس کے مرنے کے بعد اس کے ترکہ کے حق دار ہوں گے تو یہ آدمی کسی ناراضی وغیرہ کی وجہ سے ان کو محروم کرنے کے لئے کسی غیر آدمی کے حق میں یا کسی خاص مصرف کے لئے وصیت کردیتا ہے یا کوئی اور ایسی تدبیر کرتا ہے جس سے وہ وارث محروم ہو جائیں، تو یہ (اس حدیث کے مطابق) اتنا بڑا گناہ اور ایسا ظلم ہے کہ اس کی وجہ سے ساٹھ سالہ اطاعت و فرمانبرداری برباد ہو جاتی ہے اور آدمی عذاب دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے۔ حضرت

سعد بن ابی وقاص کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ ہر شخص کو اپنی ایک تہائی دولت کے بارے میں وصیت کرنے کی اجازت ہے لیکن نیک نیتی شرط ہے۔ وارثوں اور حقداروں کو نقصان پہنچانے کا ارادہ بہر حال گناہ اور ظلم ہے۔

نظامِ عدالت

لوگوں کے درمیان پیدا ہونے والے مختلف قسم کے نزاعات و خصومات کا فیصلہ کرنے اور حقداروں کو ان کا حق دِلوانے نیز تعزیر و سزا کے مستحق چوروں ڈاکوؤں جیسے مجرموں کو سزا دینے کے لئے محکمۂ قضا یعنی نظامِ عدالت کا قیام بھی انسانی معاشرہ کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انسانی معاملات کے دوسرے ابواب کی طرح اس باب میں بھی اپنے طرزِ عمل اور ارشادات سے پوری رہنمائی فرمائی ہے۔ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ کی زندگی میں تو اس کا سوال ہی نہیں تھا لیکن جب آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آبسے اور یہاں اجتماعیت کی ایک شکل پیدا ہو گئی تو اس وقت نظامِ عدالت بھی اپنی ابتدائی سادہ شکل میں قائم ہو گیا۔ خود رسول اللہ ﷺ نبی و رسول ہونے کے ساتھ قاضی اور حاکمِ عدالت بھی تھے' نزاعی معاملات آپ ﷺ کے سامنے آتے اور آپ ﷺ ان کا فیصلہ فرماتے' حدود جاری کرتے یعنی سزا کے مستوجب مجرمین کو قانونِ خداوندی کے مطابق سزائیں دِلواتے۔ قران مجید میں براہِ راست آپ ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ.
(المائدہ' آیت: ۴۹)

(اے پیغمبر!) آپ لوگوں (کے نزاعات و معاملات) کا فیصلہ اللہ کی نازل کی ہوئی ہدایت اور اس کے قانون کے مطابق کیا کریں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاكَ اللّٰهُ.
(النساء' آیت: ۱۰۵)

ہم نے نازل کی آپ کی طرف "کتاب" حق (کی ہدایت) کیساتھ تاکہ آپ لوگوں کے باہمی معاملات کا فیصلہ کریں اللہ کی رہنمائی کے مطابق۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نزاعات و خصومات کے فیصلے خود فرماتے تھے نیز بعض روایات سے

معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں آپ ﷺ کے حکم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مدینہ طیبہ میں قاضی کی حیثیت سے مقدمات کے فیصلے فرماتے تھے اور جب یمن کا علاقہ بھی اسلامی اقتدار کے دائرہ میں آگیا تو آپ ﷺ نے حضرت علی اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو بھی وہاں قاضی بنا کر بھیجا۔

آپ ﷺ نے اُن لوگوں کو جو کسی علاقہ میں عدل و انصاف کے ذمہ دار (قاضی) بنائے جائیں سخت تاکید فرمائی کہ وہ اس ذمہ داری کو اپنے امکان اور اپنی فہم و فکر کی آخری حد تک عدل و انصاف اور خدا ترسی کے ساتھ انجام دینے کی پوری کوشش کریں اور ایسا کرنے والوں کو آپ ﷺ نے خدا کی مدد اور رہنمائی کی اور آخرت میں عظیم انعامات اور بلند درجات کی بشارتیں سنائیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر بالفرض ایسے لوگوں سے نادانستہ اجتہادی غلطی بھی ہو جائے گی تو اس پر مواخذہ نہیں ہوگا بلکہ اپنی نیک نیتی اور حق سمجھنے کی محنت و کوشش کا ان کو اَجر و ثواب ملے گا۔ اور اس کے بالمقابل آپ ﷺ نے جانبداری اور بے انصافی کرنے والے حاکموں کو اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے ڈرایا اور سخت وعیدیں سنائیں۔ نیز آپ ﷺ نے یہ ہدایت بھی فرمائی کہ حاکم اور قاضی ایسے بندگانِ خدا کو بنایا جائے جو اس منصب اور عہدے کے خواہش مند نہ ہوں، اور جو لوگ اس کے طالب اور خواہش مند ہوں ان کو ہرگز یہ منصب اور عہدہ نہ دیا جائے۔ قضا اور عدالت کے طریقۂ کار کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے رہنمائی فرمائی اور اس کے لئے کچھ بنیادی اصول بھی تعلیم فرمائے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھی جائیں۔

عادل اور غیر عادل حاکم و قاضی:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَاللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ اَلَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَاَهْلِيْهِمْ وَمَا وُلُّوْا. (رواه مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (اہلِ حکومت اور اربابِ اقتدار میں سے) عدل و انصاف کرنے والے بندے اللہ تعالیٰ کے ہاں (یعنی آخرت میں) نور کے منبروں پر ہوں گے اللہ تعالیٰ کے داہنی جانب۔ اور اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے اہل و عیال اور متعلقین کے معاملات میں اور اپنے اختیارات کے استعمال کے بارے میں عدل و انصاف سے کام لیتے

ہیں۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں اُن اہلِ حکومت اور اربابِ اختیار کو جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے اختیارات کے استعمال اور سارے معاملات میں عدل و انصاف کا اہتمام اور اس کی پابندی کریں یہ عظیم بشارت سنائی گئی ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا یہ اعزاز و اکرام ہو گا کہ وہ اس کے داہنی جانب نور کے منبروں پر دٹھائے جائیں گے۔ اس دنیا کے شاہی درباروں میں کسی کی کرسی کا تختِ شاہی کے داہنی جانب ہونا اس کے خاص الخاص اعزاز و اکرام کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس بناء پر اس حدیث کا مقصد و مدعا یہ ہو گا کہ جو بندے برسر حکومت اور صاحبِ اختیار ہونے کے ساتھ عدل و انصاف کے تقاضوں کی پوری پابندی کریں، تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں ان کے ساتھ ایسا ہی خاص الخاص اعزاز و اکرام ہو گا ان کی نورانی نشست گاہیں (منبر کہئے یا کرسیاں) اللہ تعالیٰ کے داہنی جانب ہوں گی۔

حدیث کے لفظ "عن يمين الرحمٰن" (خداوند رحمٰن کے داہنی جانب) سے شبہ ہو سکتا تھا کہ جس طرح ہم لوگوں کے داہنے ہاتھ کے ساتھ دوسرا بایاں ہاتھ ہوتا ہے (جو داہنے ہاتھ کے مقابلہ میں کمزور اور کمتر ہوتا ہے) اسی طرح خداوند رحمٰن کا بھی دوسرا بایاں ہاتھ ہو گا۔ تو رسول اللہ ﷺ کی اس وضاحت سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ اس حدیث میں یا اس طرح کی دوسری احادیث یا قرآنی آیات میں اللہ تعالیٰ کے لئے جو "یمین" یا "ید" (ہاتھ یا داہنے ہاتھ) کے الفاظ میں کہیں استعمال ہوئے ہیں ان سے ہمارے جیسے ہاتھ مراد نہیں ہیں۔ قرآن پاک میں بھی فرمایا گیا ہے "ليس كمثله شيء" (کوئی چیز بھی اللہ کی مثل یا مثال نہیں ہے) رہی یہ بات کہ پھر "ید" جیسے الفاظ سے کیا مراد ہے؟ تو اس کے بارے میں آئمہ سلف کے اس مسلک میں زیادہ سلامتی اور احتیاط ہے کہ ہم اس کا اعتراف اور اقرار کریں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی نوعیت اور حقیقت کی دریافت سے ہم عاجز ہیں۔

حدیث کے آخری الفاظ ہیں "الذين يعدلون في حكمهم واهليهم وماو لوا" یعنی یہ بشارت ان عادل و منصف بندوں کے لئے ہے جو اپنے عدالتی اور حکومتی فیصلوں میں انصاف کریں اور اپنے اہل و عیال اور اہلِ تعلق کے ساتھ بھی ان کا رویہ عادلانہ اور منصفانہ ہو، اور اگر وہ کسی کے ولی اور سرپرست ہوں یا کسی جائیداد یا ادارہ کے متولی اور ذمہ دار ہوں تو اس کے معاملات میں بھی عدل و انصاف کے تقاضوں کی پابندی کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عدل و انصاف کا حکم اور اس پر بشارت کا تعلق صرف اربابِ حکومت اور حاکمانِ عدالت ہی سے نہیں ہے بلکہ اپنے

اپنے دائرہ عمل میں ہر شخص اس کا مکلف ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاَقْرَبَهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا اِمَامٌ عَادِلٌ وَاِنَّ اَبْغَضَ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاَشَدَّهُمْ عَذَابًا اِمَامٌ جَائِرٌ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنے والے حاکم قیامت کے دن اللہ کو دوسرے سب لوگوں سے زیادہ محبوب اور پیارے ہوں گے اور ان کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب حاصل ہوگا۔ اور (اس کے برعکس) وہ ارباب حکومت قیامت کے دن اللہ کو سب سے زیادہ مبغوض اور سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے جو بے انصافی کے ساتھ حکومت کریں گے۔ (جامع ترمذی)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْقَاضِیْ مَالَمْ يَجُرْ فَاِذَا جَارَ تَخَلّٰى عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّيْطَانُ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قاضی (یعنی حاکم عدالت) کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے (یعنی اس کی مدد اور توفیق اس کی رفیق رہتی ہے) جب تک وہ عدل و انصاف کا پابند رہے، پھر جب وہ (عدل و انصاف کی پابندی چھوڑ کے) بے انصافی کا رویہ اختیار کر لیتا ہے تو اللہ اس سے الگ اور بے تعلق ہو جاتا ہے (یعنی اس کی مدد اور رہنمائی اس کو حاصل نہیں رہتی) اور پھر شیطان اس کا ہمدم اور رفیق ہو جاتا ہے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حاکم اور قاضی کی نیت اور کوشش جب تک یہ رہے کہ میں حق و انصاف ہی کے مطابق فیصلے کروں اور مجھ سے بے انصافی سرزد نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد اور رہنمائی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن جب خود اس کی نیت خراب ہو جائے اور ظلم و بے انصافی کا راستہ اختیار کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی مدد اور رہنمائی سے محروم فرما دیتا ہے اور پھر شیطان ہی اسکا رفیق ور ہنما بن جاتا ہے اور وہ اسکو جہنم کی طرف لیجانے والے راستہ پر چلاتا ہے۔

قاضی اور حاکم سے اگر اجتہادی غلطی ہو جائے......

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَاَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَ اِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ وَ اَخْطَاَ فَلَهٗ

اَجْرٌ وَاحِدٌ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب حاکم (کسی معاملہ کا) فیصلہ کرنا چاہے اور (حق کے مطابق اور صحیح فیصلہ کرنے کے لئے) غور و فکر اور کوشش کرے اور صحیح فیصلہ کردے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا۔ (ایک صحیح فیصلہ کرنے کی نیت اور کوشش و محنت کا اور دوسرا صحیح فیصلہ کرنے کا) اور اگر اس نے حقیقت کو جاننے سمجھنے اور صحیح فیصلہ کرنے کی کوشش کی اور اس کے باوجود فیصلہ غلط کردیا تو بھی اس کو ایک اجر و ثواب ملے گا (یعنی حق کے مطابق فیصلہ کرنے کی نیت اور محنت کا) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے مطلب کی بقدرِ ضرورت تشریح ترجمہ کے ساتھ کردی گئی ہے۔

اس حدیث سے ایک بڑی اہم اصولی بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر حاکم اور مجتہد کسی معاملہ اور مسئلہ میں حق و صواب کو جاننے سمجھنے کی امکان بھر کوشش کرے تو اگر وہ صحیح نتیجہ پر نہ پہنچ سکے تب بھی وہ عند اللہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا کیونکہ اس کی نیت حق و صواب کو سمجھنے کی تھی اور اس کے لئے اس نے غور و فکر اور محنت و کوشش بھی کی۔ اور وہ اسی کا مکلّف تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا تعلق انہی لوگوں سے ہے جو اس کے اہل ہوں۔ نااہلوں کو اجتہاد کی اجازت تو کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ جس شخص نے قدیم یا جدید طب کا فن حاصل ہی نہیں کیا وہ اگر مطب کھول کر بیٹھ جائے اور بیماروں کا علاج کرنے لگے تو مجرم اور جیل خانہ کا مستحق ہوگا۔ ہماری زبان کی صحیح مثل ہے "نیم حکیم خطرۂ جان اور نیم مُلا خطرۂ ایمان" آگے درج ہونے والی حدیث میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ جو شخص ضروری درجہ کے علم اور اہلیت کے بغیر فیصلے کرے وہ دوزخ کا مستحق ہے۔

جنتی اور دوزخی قاضی و حاکم:

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُضَاةُ ثَلَثَةٌ وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ وَ اِثْنَانِ فِي النَّارِ فَاَمَّا الَّذِيْ فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضٰى بِهٖ وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ قَضٰى لِلنَّاسِ عَلٰى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ۔ (رواہ ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قاضی (حاکمانِ عدالت) تین قسم کے ہیں۔ ان میں سے ایک جنت کا مستحق اور دو دوزخ کے مستحق ہیں۔

جنت کا مستحق وہ حاکم عدالت ہے جس نے حق کو سمجھا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا۔ اور جس حاکم نے حق کو سمجھنے کے باوجود ناحق فیصلہ کیا وہ دوزخ کا مستحق ہے اور اسی طرح وہ حاکم بھی دوزخ کا مستحق ہے جو بے علم اور ناواقف ہونے کے باوجود فیصلے کرنے کی جرأت کرتا ہے۔
(سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

رشوت لینے اور دینے والے مستحق لعنت:

حاکمانِ عدالت کو حق و انصاف کے خلاف فیصلہ پر آمادہ کرنے والے اسباب میں ایک بڑا سبب رشوت کی طمع ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے اور دینے کو موجبِ لعنت گناہ بتلایا ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيْ۔ (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ و رواہ الترمذی عنه و عن ابی هریرة)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی رشوت دینے اور رشوت لینے والے پر۔
(سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ... اور امام ترمذی نے اس کو حضرت عبداللہ بن عمرو کے علاوہ حضرت ابوہریرہ سے بھی روایت کیا ہے)

(تشریح) کسی مجرم کے لئے اللہ یا اس کے رسول کی طرف سے لعنت اس سے انتہائی ناراضی و بے زاری کا اعلان اور نہایت سنگین سزا ہے۔ اللہ کی طرف سے کسی پر لعنت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خداوند رحمٰن و رحیم نے اس مجرم کو اپنی وسیع رحمت سے محروم کر دینے کا فیصلہ فرما دیا ہے۔ اور اللہ کے رسول یا فرشتوں کی طرف سے لعنت کا مطلب اس شخص سے بے زاری اور اس کے قابلِ لعنت ہونے کا اعلان اور اس کی رحمت سے محروم کر دیئے جانے کی بددعا ہوتی ہے۔ اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے والوں اور رشوت دینے والوں سے اپنی انتہائی ناراضی و بیزاری کا اظہار فرمایا اور ان کے لئے بددعا فرمائی کہ اللہ ان کو اپنی رحمت سے محروم کر دے۔ اللہ کی پناہ! رحمت للعالمین شفیع المذنبین ﷺ جس بدنصیب سے بیزاری کا اعلان فرمائیں اور اس کے لئے رحمتِ خداوندی سے محروم کئے جانے کی بددعا فرمائیں اس بدبخت کا کہاں ٹھکانہ!

اس حدیث کی بعض روایتوں میں ایک لفظ "والرائش" کا اضافہ بھی ہے جس کا مطلب یہ ہوگا

کہ رشوت لینے اور دینے والے کے علاوہ اس درمیانی آدمی (دلال) پر بھی رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی جو رشوت کے لین دین کا ذریعہ اور واسطہ بنے۔

حاکم اور قاضی بننا بڑی آزمائش اور بہت خطرناک

ظاہر ہے قاضی اور حاکم بن جانے کے بعد اس کے بہت امکانات پیدا ہو جاتے ہیں کہ آدمی کی نیت اور اس کے اخلاق میں فساد آجائے اور وہ ایسے غلط کام کرنے لگے جن سے اس کا دین و ایمان برباد اور آخرت خراب ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس لئے اس سے بہت ڈرایا ہے اور حتی الوسع اس سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے یہ ہدایت بھی فرمائی کہ حکومتی عہدے اور عدالتی مناصب ان لوگوں کو نہ دیئے جائیں جو ان کے طالب اور خواہش مند ہوں بلکہ ایسے لوگوں کو یہ ذمہ داری سپرد کی جائے جو اس کے طالب نہ ہوں۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ. (رواه احمد والترمذی و ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص قاضی (حاکم عدالت) بنایا گیا تاکہ لوگوں کے مقدمات نزاعات کا فیصلہ کرے تو وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) جس آدمی کو چھری سے ذبح کیا جائے وہ ۲۔ ۴ منٹ میں ختم ہو جائے گا لیکن اگر کسی کو چھری کے بغیر ذبح کرنے کی کوشش کی جائے تو ظاہر ہے اس کا جلدی کام تمام نہ ہو سکے گا اور اس کی تکلیف طویل المیعاد ہوگی۔ حدیث کا مدعا اور مقصد یہ ہے کہ قاضی اور حاکم عدالت بننا اپنے کو بڑی آزمائش اور مصیبت میں مبتلا کرنا ہے۔ اور اس منصب اور ذمہ داری کے قبول کرنے والے کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ سر پہ کانٹوں کا تاج رکھ رہا ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّكُمْ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَى الْاِمَارَةِ وَسَتَكُوْنُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَنِعْمَتِ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ. (رواه البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آئندہ ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ تم لوگ حکومت اور اس کے عہدوں کی حرص کرو گے اور وہ قیامت کے دن ندامت و پشیمانی کا باعث ہوگی۔ بڑی اچھی لگی ہے حکومت کی آغوش میں لے

کر دودھ پلانے والی اور بہت بری لگتی ہے دودھ چھڑانے والی۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے منکشف فرمایا تھا کہ آپ ﷺ کی امت میں حکومت اور اس کے عہدے حاصل کرنے کا شوق اور اس کی حرص پیدا ہوگی۔ ایسے لوگوں کو آپ ﷺ نے آگاہی دی کہ یہ حکومت قیامت میں سخت ندامت اور پشیمانی کا باعث ہوگی جب ان کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں حکومت کا حساب دینا ہوگا۔ آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ حکومت جب کسی کو ملتی ہے تو بڑی اچھی لگتی ہے جیسے بچہ کو دودھ پلانے والی دایہ اچھی لگتی ہے اور جب وہ ہاتھ سے جاتی ہے (خواہ موت کے وقت، یا زندگی ہی میں اس سے محروم یا دست بردار ہونا پڑے) تو بہت بری لگتی ہے جیسے کہ دودھ چھڑانے والی دایہ بچہ کو بہت بری لگتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حکومت کے شوقین اور طالبوں کو اس کے اُخروی انجام سے غافل نہ ہونا چاہئے، قیامت میں ان کو اپنے زیرِ حکومت لاکھوں کروڑوں بندگانِ خدا کے حقوق کے بارے میں جواب دہی کرنی ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کے اس قسم کے ارشادات کا یہ اثر پڑا تھا کہ بہت سے صحابہ کرام حکومتی اور عدالتی عہدوں سے دور رہنا چاہتے تھے۔ امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو قاضی بنانا چاہا لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔

حکومت کے طالب اللہ کی مدد و رہنمائی سے محروم:

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ لِي رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْئَلِ الْاِمَارَةَ فَاِنَّكَ اِنْ اُعْطِيْتَهَا عَنْ مَسْئَلَةٍ وُكِلْتَ اِلَيْهَا وَاِنْ اُعْطِيْتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ اُعِنْتَ عَلَيْهَا. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے لئے حکومت کا عہدہ طلب مت کرو اگر تمہارے طلب کرنے پر تم کو حکومت کی ذمہ دار سپرد کی گئی تو تم اس کے حوالے کردیئے جاؤ گے (اللہ کی طرف سے تمہاری کوئی مدد اور رہنمائی نہیں ہوگی) اور تمہاری طلب کے بغیر تم کو کوئی حکومتی ذمہ داری سپرد کی گئی تو اللہ کی طرف سے اس میں تمہاری مدد ہوگی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَغَى الْقَضَاءَ وَسَأَلَ وُكِلَ اِلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اُكْرِهَ عَلَيْهِ اَنْزَلَ اللهُ عَلَيْهِ مَلَكًا يُسَدِّدُهٗ.
(رواه الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی منصب قضا کا طالب ہوگا اور درخواست کر کے اس کو حاصل کرے گا تو اس کو اس کے نفس اور اس کی قابلیت کے حوالے کر دیا جائے گا (کہ وہ خود ہی اس کی ذمہ داریوں سے نمٹے جو بہت مشکل اور بڑا خطرناک کام ہے) اور جس شخص کو مجبور کر کے قاضی اور حاکم عدالت بنایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی کے لئے خاص فرشتہ نازل فرمائے گا جو اس کو ٹھیک ٹھیک چلائے گا۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) دونوں حدیثوں کا مدعا اور مطلب یہی ہے کہ حکومتی عہدہ یا عدالتی منصب اپنے نفس کی خواہش سے نہیں لینا چاہیئے جو کوئی اس طرح حاصل کرے گا اس کی ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی مدد نہ ہوگی، اور جس کو بغیر اس کی ذاتی خواہش کے یہ ذمہ داری سپرد کی جائے وہ متوکلاً علی اللہ اس کو قبول کرلے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایسے بندوں کی مدد اور رہنمائی فرمائی جائے گی۔

قاضیوں کے لئے رہنما اصول اور ہدایات

مقدمات اور نزاعات کا فیصلہ کرنے والے قاضیوں اور حاکموں کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جو رہنما اصول مقرر فرمایا اور جو ہدایات دیں ان کے لئے مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھی جائیں۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَهُ اِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِىْ اِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ قَالَ اَقْضِىْ بِكِتَابِ اللّٰهِ، قَالَ فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ ؟ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ؟ قَالَ فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فِىْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ اَجْتَهِدُ بِرَاْيِىْ وَلَا آلُوْا قَالَ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى صَدْرِهٖ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا يَرْضٰى بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ.

(رواہ الترمذی و ابو داؤد والدارمی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو قاضی بنا کر یمن کے لئے روانہ فرمایا تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ اور قضیہ پیش ہوگا تو تم اس کا فیصلہ کس طرح کرو گے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں اللہ کی کتاب (قرآن مجید کی ہدایت) کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں تمہیں (اس کے بارے میں کوئی حکم اور ہدایت) نہ ملے؟ (تو کیا کرو گے) انہوں نے عرض کیا کہ پھر میں اللہ کے رسول کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اور اگر

رسول اللہ (ﷺ) کی سنت میں تمہیں (اس بارے میں) حکم اور ہدایت نہ ملے (تو کیا کرو گے ؟) انہوں نے عرض کیا تو پھر میں اپنی رائے اور قیاس سے کام لوں گا اور اجتہاد کروں گا اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اُٹھانہ رکھوں گا۔ یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کا سینہ ٹھونکتے ہوئے شاباشی دی اور فرمایا حمد و شکر اس اللہ کیلئے جس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جو اس کے رسول کو پسند ہے۔

(جامع ترمذی' سنن ابی داؤد' مسند دارمی)

(تشریح) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ان چند ممتاز صحابہ کرامؓ میں سے ہیں جن کو اپنے طالب علمانہ مزاج اور حضور ﷺ کی طویل صحبت اور خصوصی تعلیم و تربیت کے نتیجہ میں کتاب و سنت کے علم اور تفقہ فی الدین میں امتیازی مقام حاصل تھا۔ اسی سلسلہ معارف الحدیث میں پہلے بھی متعدد حدیثوں میں اس کا ذکر آچکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری دور میں ان کو یمن کا قاضی اور حکم بنا کر بھیجا تھا۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور آپ ﷺ کے طریقۂ کار کے مسلسل مطالعہ سے انؓ کو یہ اصول معلوم ہو چکا تھا کہ جب کوئی فیصلہ طلب معاملہ پیش آئے تو اس کے بارے میں ہدایت حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کیا جائے اگر وہاں سے ہدایت نہ مل سکے تو رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کے طریقہ کار سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے' وہاں بھی نہ ملے تو کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد و قیاس کیا جائے۔ تو جب آنحضرت نے ان کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا تو امتحان کے طور پر اُن سے دریافت کیا کہ تمہارے سامنے جو معاملات اور مقدمات آئیں گے تم ان کا فیصلہ کس طرح کرو گے ؟ انہوں نے اس کا وہ جواب دیا جو حدیث میں مذکور ہوا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو شاباش دی' ان کا سینہ ٹھوکا' اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ انہوںؓ نے آپ ﷺ کی مرضی اور منشاء کے مطابق جواب دیا جس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے آپ ﷺ کی تعلیم اور صحبت سے اچھا استفادہ کیا ہے۔

اس حدیث کی اس لحاظ سے غیر معمولی اہمیت ہے کہ دین و شریعت میں اجتہاد و قیاس کی یہ سب سے زیادہ واضح بنیاد ہے' اور امت کے ہر دور کے فقہاء و مجتہدین نے اسی حدیث کو بنیاد بنا کر اجتہاد و قیاس سے کام لیا ہے اور ان ہزاروں مسائل و معاملات کا فیصلہ کیا ہے جن کے بارے میں واضح ہدایت اور حکم کتاب و سنت میں نہیں ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرات محدثین کے مقررہ معیار کے لحاظ سے اس

حدیث کی سند قوی نہیں ہے بلکہ اس میں ضعف ہے (جس کی تفصیل شروح حدیث میں دیکھی جاسکتی ہے۔) لیکن اس کے باوجود امت کے آئمہ وفقہاء نے اس کو قبول کیا ہے اور اسی کی بنیاد پر قیاس واجتہاد کا سلسلہ چلا ہے۔ شیخ ابن القیم وغیرہ محققین نے لکھا ہے کہ آئمہ فقہاء کے اس کو قبول کر لینے کے بعد اس کی صحت کے لئے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی معاملہ اور مسئلہ میں قیاس واجتہاد کی گنجائش جب ہی ہے جب کہ اس کے بارے میں کتاب وسنت میں کوئی حکم وہدایت نہ مل سکے۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْخَصْمَيْنِ يَقْعُدَانِ بَيْنَ يَدَيِ الْحَاكِمِ. (رواہ احمد و ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ مقدمہ کے دونوں فریق حاکم کے سامنے بیٹھیں۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حاکم کو چاہئے کہ مقدمہ کے دونوں فریقوں (مدعی اور مدعا علیہ) کے ساتھ اس کا برتاؤ مساویانہ ہو، کسی فریق کی کسی خصوصیت یا تعلق کی وجہ سے اس کے ساتھ ترجیحی سلوک نہ ہو، قاضی کے سامنے دونوں کی نشست یکساں ہو۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. اِذَا تَقَاضٰى اِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْاَوَّلِ حَتّٰى تَسْمَعَ كَلَامَ الْاٰخَرِ فَسَوْفَ تَدْرِىْ كَيْفَ تَقْضِىْ. قَالَ عَلِيٌّ فَمَا زِلْتُ قَاضِيًا بَعْدَ هٰذَا. (رواہ الترمذی)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا، جب تمہارے پاس دو آدمی (کوئی نزاعی معاملہ اور مقدمہ لے کر) فیصلہ کرانے آئیں، تو تم پہلے ہی فریق کی بات سن کر فیصلہ نہ دے دو جب تک کہ دوسرے کا بیان نہ سن لو، ایسا کرو گے تو تم سمجھ لوگے اور جان لوگے کہ تم کس طرح اور کیسا فیصلہ کرو" حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے میں برابر قاضی رہا ہوں۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ کو قاضی بنا کر یمن بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میری عمر بہت کم ہے اور میں مقدمات اور نزاعات کا فیصلہ کرنا نہیں جانتا، تو آپ ﷺ نے ان کو اطمینان دلایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد اور راہنمائی فرمائے گا

اور تم سے صحیح فیصلہ کرائے گا اور ساتھ ہی یہ اصولی ہدایت فرمائی کہ جب کوئی قضیہ تمہارے سامنے آئے تو جب تک تم دونوں فریقوں کا بیان نہ سن لو اس وقت تک کوئی رائے قائم نہ کرو اور نہ فیصلہ دو۔ جب دونوں کی بات سننے کے بعد معاملہ پر غور کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی ہوگی اور صحیح فیصلہ کی توفیق ملے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں جو فرمایا تھا اس کا ظہور اس طرح ہوا کہ مقدمات و نزاعات کے فیصلہ کے باب میں طبقہ صحابہ میں آپؓ کو خصوصی امتیاز حاصل تھا اور آپؓ کا فیصلہ آخری فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔

عَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ کوئی قاضی اور حاکم (کسی معاملہ کا فیصلہ) ایسی حالت میں ہرگز نہ کرے کہ وہ غصہ کی حالت میں ہو۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

(تشریح) غصہ کی حالت میں آدمی کا ذہنی توازن صحیح نہیں ہوتا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ ایسی حالت میں کوئی حاکم عدالت کسی مقدمہ اور قضیہ کا فیصلہ نہ کرے ایسے وقت غور فکر کر کے رائے قائم کرے اور فیصلہ کرے جب دماغ ٹھنڈا اور اعتدال و سکون کی حالت میں ہو۔ (اور اگر حاکم کو غصہ مقدمہ کے کسی فریق پر ہو تو اس کا بھی خطرہ ہے کہ فیصلہ میں ناانصافی ہو جائے۔)

دعوے کے لئے دلیل اور ثبوت ضروری:

اگر کوئی شخص حاکم اور قاضی کی عدالت میں کسی دوسرے آدمی کے خلاف کوئی دعویٰ یا شکایت کرے تو خواہ دعویٰ کرنے والا کیسا ہی ثقہ صالح اور کتنا ہی بلند مرتبہ کیوں نہ ہو محض اس کے دعوے کی بنیاد پر قاضی اس کے حق میں فیصلہ نہیں کر سکے گا اسلامی قانون میں ہر دعوے کے لئے ضابطہ کے مطابق ثبوت اور شہادت ضروری ہے۔ اگر مدعی شہادت اور ثبوت پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ سے کہا جائے گا کہ اگر اس کو دعویٰ تسلیم نہیں ہے تو وہ حلف کے ساتھ کہے کہ یہ دعویٰ غلط ہے۔ اگر مدعا علیہ اس طرح کے حلف سے انکار کرے تو دعویٰ صحیح سمجھ کے ڈگری کر دیا جائے گا اور اگر وہ حلف کے ساتھ مدعی کے دعوے کو غلط قرار دے تو دعویٰ خارج کر دیا جائے گا

اور مدعا علیہ کے حق میں فیصلہ دے دیا جائے گا۔ یہ عدالتی قانون اور ضابطہ ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی اور جو خود آپ ﷺ کا طریقہ کار بھی تھا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْيُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعٰى نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَاَمْوَالَهُمْ وَلٰكِنَّ الْيَمِيْنَ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ.
(رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر محض دعوے پر لوگوں کے حق میں فیصلہ کر دیا جایا کرے تو لوگ دوسروں کے خلاف (بیباکی سے) خون یا مال کے (جھوٹے سچے) دعوے کرنے لگیں گے۔ لیکن (محض کسی کے دعوے پر اس کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ ثبوت طلب کیا جائے گا اور ثبوت و شہادت نہ ہونے کی صورت میں) مدعی علیہ سے حلفیہ انکاری بیان لیا جائے گا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) صحیح مسلم کی اس روایت کے الفاظ میں مدعی سے ثبوت و شہادت طلب کرنے کا ذکر نہیں ہے، صرف مدعی علیہ سے حلفیہ انکاری بیان لینے کا ذکر ہے لیکن صحیح مسلم کے شارح امام نووی نے اپنی شرح مسلم میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کی اسی حدیث کو امام بیہقی نے بھی حسن یا صحیح سند سے روایت کیا ہے اور اس میں پہلے مدعی سے ثبوت و شہادت طلب کرنے کا ذکر ہے، اس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ "وَلٰكِنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنَ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ" امام نووی کا یہ کلام صحیح مسلم کی اس حدیث کے ساتھ ہی مشکوٰۃ المصابیح میں بھی نقل کیا گیا ہے، اسی لئے حدیث کے ترجمہ میں ہم نے قوسین میں اس کا اضافہ کر دیا ہے۔ متعدد دوسرے صحابہ کرام سے بھی اس مضمون کی حدیثیں مروی ہیں۔

عَنِ الْاَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ كَانَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ رَجُلٍ مِنَ الْيَهُوْدِ اَرْضٌ فَجَحَدَنِيْ فَقَدَّمْتُهٗ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلَكَ بَيِّنَةٌ قُلْتُ لَا قَالَ لِلْيَهُوْدِيِّ اِحْلِفْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِذًا يَّحْلِفُ يَذْهَبُ بِمَالِيْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِهِمْ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ
(رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ ایک زمین میری اور ایک یہودی کی مشترکہ ملکیت تھی، اس نے میری ملکیت سے انکار کر دیا اور تنہا اس کا مالک بن بیٹھا

میں اس یہودی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا (اور اپنا مقدمہ آپ کے سامنے پیش کیا) آپ نے مجھ سے فرمایا کہ "تمہارے پاس اپنے دعوے کی کوئی دلیل (یعنی گواہ شاہد ہے)؟" میں نے عرض کیا کوئی گواہ شاہد تو نہیں ہے۔ آپ نے یہودی سے فرمایا، کہ (اگر تمہیں اس سے انکار ہے تو) تم قسم کھاؤ (کہ زمین میں مدعی کا کوئی حصہ نہیں ہے تنہا میری ہے.... اشعث کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت یہ یہودی (جھوٹی) قسم کھالے گا اور میرا مال یعنی میری جائداد ہڑپ کرلے گا...... تو اللہ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی "اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ.......... وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ" (جو لوگ اللہ کے عہد و پیمان کو توڑ کر) اور اپنی (جھوٹی) قسموں کے ذریعہ "ثمنِ قلیل" یعنی دنیا کا تھوڑا سا نفع حاصل کرتے ہیں، آخرت میں اُن کا کوئی حصہ نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان سے کوئی بات نہ فرمائے گا اور وہ اس کی نگاہِ کرم سے بھی محروم رہیں گے اور وہ ان کو پاک صاف بھی نہ کرے گا اور ان کو نہایت درد ناک عذاب ہوگا۔ (سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قضیہ میں مدعی مسلم اور مدعا علیہ غیر مسلم ہو تب بھی اس قانون کے مطابق کاروائی کی جائے گی اور مدعی کے پاس ثبوت شہادت نہ ہونے کی صورت میں اگر غیر مسلم مدعا علیہ کے ساتھ انکاری بیان دے گا تو اسکو قبول کرلیا جائے گا۔ اور اگر فی الواقع اس نے بددیانتی کی ہے اور جھوٹا حلفیہ بیان دیا ہے تو آخرت میں وہ اس کی سخت ترین سزا پائے گا۔

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ وَ رَجُلٌ مِنْ كِنْدَةَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذَا غَلَبَنِيْ عَلٰى اَرْضٍ لِيْ فَقَالَ الْكِنْدِيُّ هِيَ اَرْضِيْ وَ فِيْ يَدِيْ لَيْسَ لَهُ فِيْهَا حَقٌّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَضْرَمِيِّ اَلَكَ بَيِّنَةٌ؟ قَالَ لَا قَالَ فَلَكَ يَمِيْنُهُ؟ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا يُبَالِيْ عَلٰى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ قَالَ لَيْسَ لَكَ مِنْهُ اِلَّا ذَالِكَ فَانْطَلَقَ لِيَحْلِفَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَدْبَرَ لَئِنْ حَلَفَ عَلٰى مَالِهٖ لِيَاْكُلَهُ ظُلْمًا لَيَلْقَيَنَّ اللّٰهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ. (رواه مسلم)

علقمہ بن وائل نے اپنے والد وائل کی روایت سے بیان کیا کہ ایک شخص حضرموت کے رہنے والے اور ایک قبیلہ کندہ کے (اپنا مقدمہ لے کر) حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے'

حضرمی نے (جو مدعی تھا) عرض کیا کہ یارسول اللہ اس کندی نے میری ایک زمین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ کندی نے (جو مدعا علیہ تھا) جواب میں کہا کہ وہ زمین فی الواقع میری ہی ملکیت ہے اور میرے قبضہ میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدعی حضرمی سے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس دعوے کی دلیل (گواہ شاہد) ہیں؟ اس نے عرض کیا کہ گواہ شاہد تو نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تو تم کو صرف یہ حق ہے کہ اپنے مدعا علیہ کندی سے قسم لے لو۔ حضرمی نے عرض کیا کہ حضرت یہ آدمی تو فاجر (بدکار و بد چلن اور بددیانت) ہے اس کو اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ کس بات کی قسم کھا رہا ہے اور کسی بھی (بری) بات سے اس کو پرہیز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (کچھ بھی ہو جب تمہارے پاس دعوے کے گواہ شاہد نہیں ہیں تو) تم کو بس یہی حق ہے کہ اس آدمی سے قسم لے لو! تو جب وہ کندی حلف اُٹھانے کے لئے دوسری طرف کو چلا تو رسول اللہ ﷺ نے (اس کو آگاہی دیتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ اگر اس نے حضرمی کا مال ظالمانہ اور ناجائز طور پر ہڑپ کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھائی تو اللہ کے حضور میں یہ اس حال میں پیش ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب و ناراضی کی وجہ سے) اس کی طرف سے رُخ پھیر لیں گے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) بلاشبہ آخرت میں کسی بندے کی یہ انتہائی بدبختی اور بدنصیبی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ غضب و ناراضی کی وجہ سے اس کی طرف سے رُخ پھیر لیں' یہ اس کے مردودِ بارگاہ اور ناقابل معافی ہونے کی علامت ہوگی۔ اس سے پہلی اشعث بن قیس کی حدیث میں ایسے لوگوں کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے جو آیت تلاوت فرمائی تھی (اولئك لا خلاق لهم في الاخرة ولا يكلمهم الله.......... ولهم عذاب اليمo) وائل کی اس حدیث میں وهو عنه معرض اسی کی اجمالی تعبیر ہے اور آیت کا مضمون گویا اس کی تفصیل ہے۔

صحیح مسلم کی اس حدیث میں ایک جملہ یہ تھا "فَانْطَلَقَ لِيَحْلِفَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَدْبَرَ.. الخ" جس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے "کہ جب وہ کندی حلف اُٹھانے کے لئے دوسری طرف کو چلا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غالباً اس کندی سے کہا گیا ہوگا کہ مسجد چل کر نماز کے بعد سب کے سامنے قسم کھاؤ' یا یہ کہ منبر کے پاس کھڑے ہو کر قسم کھاؤ۔ تو جب وہ قسم کھانے کے لئے اُدھر کو چلا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو آگاہی دی کہ جو کوئی جھوٹی قسم کھا کر پرایا مال ناجائز طور پر حاصل کرے گا آخرت میں اس کا یہ انجام ہوگا۔ صحیح مسلم کی اس حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ پھر اس شخص نے قسم کھائی یا قسم کھانے سے باز آگیا۔ لیکن سنن ابی داود میں

حضرمی اور کندی کے اسی مقدمہ سے متعلق اشعث بن قیس کی ایک حدیث ہے اس کے آخر میں یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے آخرت کے برے انجام کی وعید سنائی تو کندی قسم کھانے سے رُک گیا اور اس نے اقرار کر لیا کہ وہ زمین مدعی حضرمی ہی کی ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسی کے مطابق فیصلہ فرمادیا۔

جھوٹے دعوے اور جھوٹی قسم والوں کا ٹھکانہ جہنم:

جیسا کہ معلوم ہے تمام انبیاء علیہم السلام کی عموماً اور رسول اللہ ﷺ کی خصوصاً اصل حیثیت نبی و رسول اور بشیر و نذیر کی ہے [۱]...... وہ اللہ کے حکم سے اس کے بندوں کو ایمان اور اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کی دعوت و ترغیب دیتے اور ان پر خداوندی فضل و انعام اور رحمت و جنت کی بشارت سناتے ہیں۔ اور کفر و شرک اور بداعمالیوں و بداخلاقیوں اور جرائم سے بندگانِ خدا کو روکتے' ان کو برے انجام سے آگاہی دیتے اور خدا کے غضب و عذاب سے ڈراتے ہیں' یہی ان کی دعوت و ہدایت کی بنیاد اور یہی ان کا سب سے کارگر ہتھیار اور یہی ان کی اصل طاقت ہوتی ہے۔

عدالت میں جھوٹا دعویٰ کرنا اور اسی طرح ناجائز طور پر کسی کی چیز حاصل کرنے یا اس کو نقصان پہنچانے کے لئے جھوٹی قسم کھانا' بدترین اور شدید ترین گناہوں میں سے ہے۔ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ذیل میں پڑھے جائیں۔

عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ ادَّعٰى مَا لَيْسَ لَهٗ فَلَيْسَ مِنَّا وَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جو کوئی ایسی چیز پر دعوے کرے جو فی الحقیقت اس کی نہیں ہے' تو وہ ہم میں سے (یعنی ہمارا آدمی اور ہمارا ساتھی) نہیں ہے' اور اس کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اپنے کو مسلمان کہنے اور مسلمانوں میں شمار کرنے والے شخص کے لئے اس سے زیادہ سخت و شدید وعید کیا ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے بارے میں فرمادیں کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے' ہماری جماعت سے خارج ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اللہ کی پناہ!

---

[۱] سورۂ نساء میں تمام انبیاء علیہم السلام کے بارے میں فرمایا گیا "رسولا مبشرین و منذرین" اور سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ فرقان میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا گیا "وما ارسلناك الا مبشرا و نذيرا"

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِءٍ مسلمٍ بِیَمِیْنِہٖ فَقَدْ اوجب اللہ له النار و حرم علیه الجنة فقال له رجلٌ وإن كَانَ شَیْئًا یسیرًا یَا رسُوْلَ اللہ قَالَ وَاِنْ كَانَ قَضِیْبًا مِنْ اَرَاكٍ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے جھوٹی قسم کھاکر کسی مسلمان کا کوئی حق مارا (اور عدالتی فیصلے سے اس کی کوئی چیز حاصل کرلی) تو اللہ نے اس شخص کے لئے دوزخ واجب کردی ہے اور جنت حرام۔ ایک شخص نے سوال کیا یارسول اللہ اگرچہ وہ چیز بالکل معمولی اور تھوڑی سی ہو (تب بھی یہی سزا ہوگی؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگرچہ وہ (جنگلی درخت) پیلو کی ایک ٹہنی ہی ہو۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے عدالت میں جھوٹی قسم کھاکے کسی دوسرے بندے کی بالکل معمولی اور بے قیمت چیز بھی حاصل کی تو اس نے بھی اتنا بڑا گناہ کیا جس کی سزا میں اس کو دوزخ کا عذاب ضرور بھگتنا ہوگا اور مومنین صالحین والی جنت سے محروم رہے گا۔

حدیث میں "من اقتطع حق امرءٍ مسلم" فرمایا گیا' یہ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مدینہ منورہ کا معاشرہ اسلامی معاشرہ ہی تھا اور آپ ﷺ کے سامنے عموماً مسلمانوں ہی کے باہمی مقدمات آتے تھے۔ ورنہ کسی غیر مسلم کی چیز بھی جھوٹی قسم کھاکر حاصل کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح مسلمان کی چیز حاصل کرنا۔ اس کی واضح دلیل قرآن پاک کی وہ آیت ہے جس کا حوالہ خود رسول اللہ ﷺ نے (ایک حدیث میں جو پہلے درج ہوچکی ہے) جھوٹی قسم کے عذاب ہی کے سلسلہ میں دیا ہے۔ یعنی اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰہِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰہُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ط۔" (آل عمران ۷۷)

خود حضور ﷺ کے فیصلہ سے بھی دوسرے کی چیز حلال نہیں ہوسکتی

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک چالاک مقدمہ باز آدمی دوسرے کی چیز پر جھوٹا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا ایسا ثبوت پیش کرتا ہے کہ قاضی اس کو برحق سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ دے دیتا ہے۔ اور اسی طرح کبھی کوئی جھوٹا مدعا علیہ اپنی چرب زبانی سے اور جھوٹی قسم کھاکر اپنی سچائی کا قاضی کو یقین دلادیتا ہے اور وہ اس کے حق میں فیصلہ کردیتا ہے' تو قاضی شریعت کے اس فیصلہ سے وہ چیز اس جھوٹے مدعی یا مدعا علیہ کے لئے حلال و جائز نہیں ہوجاتی' حرام ہی رہتی ہے اور

جھوٹا مقدمہ لڑانے اور جھوٹی قسم کھانے سے وہ جہنمی بن جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی ایک بشر ہوں اور کسی مقدمہ باز کی چرب زبانی سے متاثر ہو کر مجھ سے بھی ایسا فیصلہ ہو سکتا ہے تو میرے فیصلہ سے بھی وہ چیز اس کے لئے حلال نہ ہو گی حرام ہی رہے گی۔ حدیث یہ ہے:

عن ام سلمة ان رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال انما انا بشرٌ و اِنكم تَخْتَصِمُوْنَ اليَّ و لعل بعضكم اَنْ يكون اَلحن بِحُجَّتِه من بعض فاقضى له على نحوما اسمع منه فمن قضيت له بشيءٍ من حق اخيه فلا ياخذنه فانما اقطع له قطعة من النار. (رواه البخارى و مسلم)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک بشر ہوں، اور تم لوگ میرے پاس اپنے نزاعات اور مقدمات لاتے ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے ایک زیادہ اچھا بولنے والا اور بہتر انداز میں تقریر کر کے اپنی دلیل پیش کرنے والا ہو دوسرے سے، اور پھر میں اس کی بات سن کر اسی کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ دے دوں تو اس طرح میں جس کے لئے اس کے بھائی کی چیز کا فیصلہ کر دوں تو وہ اس کو ہرگز نہ لے (اس کے جھوٹے دعوے یا جھوٹی قسم کے نتیجہ میں) اس کو جو دیتا ہوں وہ (انجام کے لحاظ سے) اس کے واسطے دوزخ کا ایک حصہ ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ میں ایک انسان اور بندہ ہوں عالم الغیب نہیں ہوں، ہو سکتا ہے کہ کسی مدعی یا مدعا علیہ کی تقریر و استدلال سے متاثر ہو کر اس کے حق میں فیصلہ دے دوں اور فی الواقع وہ اس کا حق نہ ہو تو میرے فیصلہ سے بھی دوسرے فریق کی چیز اس کے لئے حلال اور جائز نہ ہو گی بلکہ وہ اس کے حق میں دوزخ ہو گی۔

جھوٹی قسم شدید ترین گناہِ کبیرہ:

عن عبدالله بن اُنيس قال قال رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ من اكبر الكبائرِ الشركُ بالله وعقوقُ الوالدين واليمين الغموس وما حلف بالله حالفٌ يمينِ صبرفادخل فيها مثل جناح بعوضةٍ اِلَّا جُعلتْ نكتة فى قلبه اِلى يوم القيٰمة. (رواه الترمذى)

حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کبیرہ

گناہوں میں سب سے بڑے (اور سب سے خبیث) گناہ یہ ہیں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔ اور ماں باپ کی نافرمانی۔ اور (حاکم کے سامنے) جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا۔ اور عدالت میں جو قسم کھانے والا قسم کھائے اور اس میں مچھر کے پر کے برابر گڑبڑ کرے (یعنی ذرہ برابر بھی جھوٹ یا خیانت شامل کرے) تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) اس کے دل میں قیامت تک کے لئے ایک داغ بنادیا جاتا ہے۔ (یعنی اس کا وبال قیامت میں ظاہر ہوگا) (جامع ترمذی)

عَنْ خُرَیْم بن فاتكٍ قَالَ صلى رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صلوٰة الصبح فلما انصرف قام قائمًا فقال عُدِلت شهادة الزور بالاشراك بالله ثلث مرّاتٍ ثم قرأ فاجتنبوا الرِّجْسَ من الاوثانِ وَاجتنبوا قول الزورِ حنفاء لله غير مشركين به (رواه ابو داؤد)

خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن) صبح کی نماز پڑھی جب آپ فارغ ہوئے تو (اٹھ کر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ جھوٹی گواہی شرک کے برابر کردی گئی۔ یہ بات آپ ﷺ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی' پھر آپ ﷺ نے (قرآن پاک کی) یہ آیت پڑھی "فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور حنفاء لله غير مشركين به" (اے لوگو! بت پرستی کی گندگی سے بچو' اور جھوٹی گواہی سے بچو' یکسوئی کے ساتھ بس اللہ ہی کے ہو کے اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والے نہ ہو۔" (سنن ابی داؤد)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ نے جو آیت اس خطاب میں تلاوت فرمائی اس میں شرک و بت پرستی کے ساتھ "قولِ زور" سے بچنے اور پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور دونوں کے لئے اَمر کا ایک ہی صیغہ اور ایک ہی کلمہ "اجتنبوا" استعمال فرمایا گیا ہے اس سے رسول اللہ ﷺ نے یہ سمجھا اور مخاطبین کو سمجھایا کہ شہادتِ زور (جھوٹی شہادت) ایسا ہی گندہ اور خبیث گناہ ہے جیسا کہ شرک و بت پرستی اور ایمان والوں کو اس سے ایسا ہی پرہیز کرنا چاہیئے جتنا کہ شرک و بت پرستی سے۔

کن لوگوں کی گواہی معتبر نہیں:

عن عمروؔ بن شعيب عن ابيه عن جدّه عن النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال لا تجوز شهادةُ خائنٍ ولا خائنةٍ ولا زانٍ ولا زانيةٍ ولا ذى غِمرٍ على اخيه وردّ شهادةَ القانع لاهل البيت. (رواه ابو داؤد)

عمرو بن شعیب نے اپنے والد شعیب سے نقل کیا اور انہوں نے اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خیانت کرنے والے کسی مرد اور (اسی طرح) خیانت کرنے والی کسی عورت کی شہادت درست نہیں (یعنی قابلِ قبول نہیں) اور کسی زانی اور زانیہ کی شہادت بھی قابلِ قبول نہیں) اور کسی دشمنی رکھنے والے کی شہادت بھی اس بھائی کے خلاف جس سے اس کی دشمنی ہو قابلِ قبول نہیں اور جو شخص (اپنی روزی اور ضروریات زندگی کے لئے) کسی گھرانے سے وابستہ ہو کر پڑ گیا ہو اس گھر والوں کے حق میں اس کی شہادت کو رسول اللہ ﷺ نے ناقابلِ قبول قرار دیا۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث میں پہلے خیانت اور زنا کا ارتکاب کرنے والے مردوں اور عورتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان کی شہادت قابلِ قبول نہیں۔ ان دونوں گناہوں کو بطور مثال کے سمجھنا چاہیئے' اصول اور قانون یہ ہوگا کہ جو شخص ایسے کبائر اور فواحش کا مرتکب ہو' دوسرے لفظوں میں فاسق و فاجر ہو اس کی شہادت قبول نہ ہوگی کیونکہ ایسے گناہوں کا ارتکاب اس کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں خدا کا خوف نہیں ہے اس لئے اس کی سچائی پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ کسی دشمنی رکھنے والے کی مخالفانہ گواہی کے قابلِ قبول نہ ہونے کی وجہ ہے۔ اسی طرح جو آدمی کسی گھرانے سے وابستہ ہو' اس کا رہنا سہنا' کھانا پینا انہیں کے ساتھ ہو وہ گویا اسی گھرانے کا ایک فرد ہے اس لئے اس گھرانے کے حق میں اس کی شہادت بھی قبول نہیں کی جائے گی' اس سے معلوم ہو گیا کہ گھر والوں کی بدرجہ اولیٰ قابلِ رد ہو گی۔

نظامِ حکومت...... خلافت وامارت

جیسا کہ معلوم ہے "اسلام" انسانی زندگی کے سارے ہی شعبوں پر حاوی ہے۔ وہ عقائد و ایمانیات' عبادات' اخلاق' آدابِ معاشرت اور معاملات کی طرح نظامِ حکومت کے بارے میں بھی اپنے پیرووں کی رہنمائی کرتا اور احکام و ہدایات دیتا ہے' بلکہ سلطنت و حکومت کا شعبہ اس کا اہم ترین شعبہ ہے کیونکہ دوسرے بہت سے شعبوں کا وجود اس سے وابستہ اور اسی پر موقوف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے طرزِ عمل اور ارشادات سے اس شعبہ کے بارے میں بھی امت کی پوری رہنمائی فرمائی ہے۔ ہجرت کے بعد جب مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کی اجتماعیت کی ایک شکل پیدا ہو گئی تو غیر رسمی طور پر ایک چھوٹی سی حکومت بھی قائم ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ اللہ کے نبی و رسول ہونے کے ساتھ اس حکومت کے سربراہ اور فرمانروا بھی تھے' ہجرت کے بعد قریباً دس سال آپ ﷺ اس دنیا میں رہے' اس مدت میں اس حکومت کا دائرہ اقتدار برابر وسیع ہوتا رہا اور تیزی سے وسیع ہوا یہاں تک کہ حیاتِ مبارک کے آخری دور میں پورا عرب بلکہ یمن اور بحرین کے علاقے بھی اس حکومت کے زیرِ اقتدار آگئے۔ ان دس سالوں میں اس دور کے معیار کے مطابق وہ سب ہی کام اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں سے کرائے جو حکومت کے سربراہوں ہی کے کرنے کے ہوتے ہیں' آپ ﷺ نے اعلاء کلمۃ اللہ اور اللہ کے بندوں پر اللہ ہی کی حکمرانی قائم کرنے کے لئے اس کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے والی دشمن طاقتوں سے جہاد بھی کیا' اس سلسلے میں فوجی مہمیں اور فوجی دستے بھی بھیجے۔ صلح کے معاہدے بھی کئے' جزیہ اور خراج اور زکوٰۃ کی وصولی کا نظام بھی قائم فرمایا۔ زیرِ اقتدار آجانے والے علاقوں میں قاضی' والی اور عامل بھی مقرر کئے اور ان سب کاموں کے بارے میں آپ ﷺ کی ہدایات میں اسلامی حکومتوں اور ان کے سربراہوں کے لئے اصولی درجہ میں پوری رہنمائی موجود ہے۔ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے تربیت یافتہ خواص واصحاب و رفقاء میں سے جو چار حضرات یکے بعد دیگرے اس حکومتی نظام کو چلانے میں آپ ﷺ کے جانشین ہوئے۔ (حضرت ابو بکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان ذی النورین' حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم) انہوں نے اپنے زمانے کے تقاضوں کا لحاظ رکھتے ہوئے امکان بھر اس کی کوشش کی کہ حکومت سے متعلق سارے معاملات میں رسول اللہ

ﷺ کے طور طریقوں اور آپ ﷺ کی ہدایات کی پوری پابندی اور پیروی کی جائے' ان کا یہی وہ امتیاز ہے جس کی وجہ سے ان کو "خلفائے راشدین" کہا جاتا ہے۔ "خلافتِ راشدہ" وہی حکومت ہے جس میں آپ ﷺ کی ہدایات اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی حتیٰ الامکان پوری پابندی و پیروی کی جائے۔

اس تمہید کے بعد نظامِ حکومت وامارات سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھے جائیں۔ انہیں سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اسلامی حکومت اور اس کے سربراہ کی کیا خاص ذمہ داریاں ہیں اور عام مسلمانوں کا رویہ ان کے ساتھ کیسا رہنا چاہیے۔

عوام کو امیر کی اطاعت اور امیر کو تقویٰ اور عدل کی ہدایت:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَى اللهَ وَمَنْ يُّطِعِ الْاَمِيْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ يَّعْصِ الْاَمِيْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ وَاِنَّمَا الْاِمَامُ جُنَّةٌ يُّقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ وَيُتَّقٰى بِهٖ فَاِنْ اَمَرَ بِتَقْوَى اللهِ وَعَدَلَ فَاِنَّ لَهٗ بِذٰلِكَ اَجْرًا وَاِنْ قَالَ بِغَيْرِهٖ فَاِنَّ عَلَيْهِ مِنْهُ (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے امیر کی فرمانبرداری کی اس نے میری فرمانبرداری کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ اور امام (یعنی اسلامی حکومت کا سربراہ) سپر اور ڈھال ہے' قتال کیا جاتا ہے اس کے پیچھے سے اور اس کے ذریعہ بچاؤ کیا جاتا ہے' پس اگر وہ خدا ترسی اور پرہیزگاری کا حکم کرے اور عدل وانصاف کا رویہ اختیار کرے تو اس کے لئے اس کا بڑا اجر و ثواب ہے اور اگر وہ اس کے خلاف بات کرے تو اس پر اس کا وبال وعذاب پڑے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔ "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" (جس نے اللہ کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی) کیونکہ اللہ کے رسول جو احکام دیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتے ہیں اور خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے اس لئے ان کے احکام کی تعمیل اللہ تعالیٰ کے احکام اور ان کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ پھر چونکہ اللہ ہی کے حکم سے رسول اللہ ﷺ کی ہدایت یہ ہے کہ امیر کی اطاعت کی جائے اور اس کا حکم مانا جائے (بشرطیکہ شریعت کے خلاف نہ ہو) تو امیر کی اطاعت رسول اللہ

ﷺ کی اطاعت ہو گی اور اس کی نافرمانی رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی ہو گی) ملحوظ رہے کہ عربی میں خاص کر قرآن و حدیث کی زبان میں "امیر" کے معنی حکمراں کے ہیں۔

بظاہر حضور ﷺ کے اس ارشاد کا خاص مقصد و مدعا امیر (حاکمِ وقت) کی اطاعت فی المعروف کی اہمیت جتلانا ہے کہ اس کی فرمانبرداری اور نافرمانی اللہ کے رسول کی، اور بالواسطہ خود اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور نافرمانی ہے۔ آگے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ امیر بمنزلہ سپر اور ڈھال کے ہے، سپر اور ڈھال کے ذریعہ اپنی حفاظت اور دشمن کے حملہ سے بچاؤ کیا جاتا ہے، اسی طرح امامِ وقت (اسلامی حکومت کا سربراہ) مسلمانوں کا اور دین کا محافظ اور پاسبان ہے، یہ حفاظت اور دفاع اس کی خاص ذمہ داری ہے۔ اس سلسلہ میں جہاد و قتال کی نوبت آئے گی۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کی وفاداری اور اطاعت کریں اس کے حکم کو مانیں، اس کے بغیر وہ دفاع اور حفاظت کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا۔

حدیث مذکور میں امراء (اصحابِ حکومت) کو نصیحت فرمائی گئی ہے کہ وہ تقویٰ اور عدل و انصاف کو لازم پکڑیں یعنی ہمیشہ یہ بات ان کے پیشِ نظر رہے کہ خدا ہر وقت اور ہر حال میں ہم کو دیکھ رہا ہے اور قیامت میں اس کے حضور میں پیشی ہو گی اور امیر و حاکم کی حیثیت سے جو کچھ ہم نے یہاں کیا ہو گا اس کا بڑا سخت محاسبہ ہو گا، اس سے کبھی غافل نہ ہوں اور عدل و انصاف پر قائم رہنے کی پوری کوشش کریں۔ اگر ایسا کریں گے تو آخرت میں بڑا اجر پائیں گے اور اگر اس کے خلاف چلیں گے تو اس کا شدید عذاب و وبال بھگتنا پڑے گا۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاوِيَةُ اِنْ وُلِّيْتَ اَمْرًا فَاتَّقِ اللهَ وَاعْدِلْ، قَالَ فَمَازِلْتُ اَظُنُّ اَنِّيْ مُبْتَلًى بِعَمَلٍ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. حَتّٰى ابْتُلِيْتُ. (رواہ احمد)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اے معاویہ! اگر تم کو حاکم مقرر کیا جائے تو خوفِ خدا اور عدل و انصاف کو اپنا شعار بنانا۔ معاویہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے مجھے برابر یہ خیال رہا کہ غالباً میں حکومت کی لائن کے کام میں مبتلا کیا جاؤں گا۔ یہاں تک کہ منجانب اللہ اس میں مبتلا کیا گیا۔ (مسند احمد)

(تشریح) پہلی حدیث کی طرح اصحابِ حکومت کو اس حدیث کا پیغام بھی یہی ہے کہ وہ خدا ترسی اور عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کریں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ

پر غالباً یہ منکشف ہوگیا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ معاویہؓ صاحب امر اور حاکم ہوں گے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے عہدِ خلافت میں وہ شام کے گورنر رہے۔ اس کے بعد حضرت حسن سے صلح کے بعد ایک وقت آیا کہ وہ پوری اسلامی مملکت کے امیر و سربراہ تسلیم کر لئے گئے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَفْضَلَ عِبَادِ اللهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِمَامٌ عَادِلٌ وَ إِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَاللهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِمَامٌ جَائِرٌ خَرِقٌ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے بندوں میں سب سے افضل اللہ کے نزدیک نرم خو، رحم دل اور عادل و منصف سربراہ حکومت ہوں گے، اور بدترین درجہ میں سخت دل اور ظالم و غیر منصف سربراہِ حکومت ہوں گے۔ (شعب الایمان بیہقی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خلیفہ اور امیر کو خداترس اور عادل و منصف ہونے کے ساتھ نرم خو اور رحم دل بھی ہونا چاہئے، جیسا کہ حکومت کے معاملہ میں خود رسول اللہ ﷺ کا رویہ تھا۔

امیر کو عوام کی خیر خواہی کی تاکید:

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيْهِ اللهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيْحَةٍ إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ. (رواه البخارى و مسلم)

حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے کہ جس بندہ کو اللہ کسی رعیت کا راعی (یعنی حاکم و نگراں بنائے اور وہ اس کی خیر خواہی پوری پوری نہ کرے تو وہ حاکم جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امیر اور حکمران کا فرض ہے کہ جو لوگ اس کے زیرِ حکومت ہیں ان کی خیر خواہی اور خیر اندیشی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھے، اگر عوام کی خیر خواہی میں کوتاہی کرے گا تو جنت سے بلکہ اس کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔

اس حدیث میں اور اس کے علاوہ بعض حدیثوں میں بھی امیر یعنی صاحبِ حکومت کو "راعی"

اور اس کے زیرِ حکومت عوام کو "رعیت" کہا گیا ہے۔ اصل عربی زبان میں راعی کے معنی چرواہے اور نگہبان کے ہیں اور "رعیت" وہ ہے جس کو وہ چرائے اور جس کی حفاظت و نگہبانی اس کے ذمہ ہو۔ صرف یہ دو لفظ یہ بتلانے کے لئے کافی ہیں کہ اسلام میں حکومت و امارت کا کیا تصور ہے اور حکمرانوں کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔ فرض شناس چرواہے ان جانوروں کو جن کا چرانا اور جن کی نگہبانی ان کے ذمہ ہوتی ہے سرسبز چراگاہوں میں لے جاتے ہیں، درندوں اور چوروں رہزنوں سے ان کی حفاظت کرتے ہیں اور شام کو گھر واپس لاتے ہیں، اس طرح ان کو کھلانا پلانا اور ان کی دیکھ بھال ہی اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ ان حدیثوں نے بتلایا کہ اسلام میں یہی حیثیت خلیفہ اور حکمران کی ہے وہ عوام کا محافظ اور رکھوالا ہے اور ان کی ضروریات کی فکر اس کی ذمہ داری ہے اور اگر وہ اس سلسلہ میں بے پروائی برتے گا تو اللہ کے نزدیک مجرم ہوگا۔

اہلِ حاجت کے لئے امیر کا دروازہ کھلا رہنا چاہیئے:

عَنْ عَمرِو بْنِ مُرَّةَ اَنَّهُ قَالَ لِمُعَاوِيَةَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اِمَامٍ يُغْلِقُ بَابَهُ دُوْنَ ذَوِى الْحَاجَةِ وَالْخَلَّةِ وَالْمَسْكَنَةِ اِلَّا اَغْلَقَ اللهُ اَبْوَابَ السَّمَاءِ دُوْنَ خَلَّتِهِ وَ حَاجَتِهِ وَمَسْكَنَتِهِ. (رواه الترمذى)

حضرت عمرو بن مرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے فرماتے ہیں کہ جو حکمران ضرورت مندوں اور کمزور بندوں کے لئے اپنا دروازہ بند کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت اس کی ضرورت اور اس کی مسکینی کے وقت آسمان کے دروازے بند کر لے گا (یعنی اس کی ضرورت مندی کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد نہیں ہوگی) (جامع ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کا بھی طریقہ یہ تھا کہ اصحابِ حاجت بلا روک ٹوک پہنچ کر مل سکتے تھے اور اپنے مسئلے پیش کر سکتے تھے، ان کے لئے دروازہ بند نہیں رہتا تھا۔ لیکن جب خوارج کی طرف سے خفیہ حملوں کا سلسلہ شروع ہوا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے ہاتھوں شہید ہوئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو انہوں نے لوگوں کی آمد و رفت پر پابندی لگادی، اسی موقع پر حدیث کے راوی حضرت عمرو بن مرہ نے ان کو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنایا! اسی روایت میں آگے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سننے کے بعد حضرت معاویہؓ نے دروازہ پر ایک خاص آدمی مقرر کر دیا جو لوگوں کی حاجات و

ضروریات معلوم کر کے حضرت معاویہ تک پہنچاتا تھا۔

امیر کا حکم اگر خلاف شریعت نہیں ہے تو بہر حال اس کی اطاعت کی جائے لیکن معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں:

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا اَحَبَّ وَكَرِهَ مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَاِذَا اُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اصحاب امر کے احکام سننا اور ماننا ہر مرد مؤمن کے لئے ضروری ہے ان امور میں بھی جو پسند ہوں اور ان امور میں بھی جو ناپسندیدہ ہوں، جب تک کہ کسی کے گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔ لیکن جب کوئی صاحب امر کسی خلاف شریعت بات کا حکم دے تو پھر سمع واطاعت (سننے اور ماننے) کا حکم نہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر کسی ایسی بات کا حکم دے جو آپ کی طبیعت یا آپ کی ذاتی رائے کے خلاف ہو لیکن شریعت کے خلاف نہ ہو تو اپنی طبیعت کے رجحان اور رائے کو نظر انداز کر کے اس کی اطاعت کرنی ضروری ہے اگر ایسا نہ کیا گیا تو ظاہر ہے کہ قدم قدم پر اختلاف و انتشار ہو گا۔ ہاں اگر شریعت کے خلاف امیر کوئی حکم دے تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ اللہ کا اور اس کی شریعت کا حکم مقدم اور سب سے بالا ہے۔

ظالم حکمراں کے سامنے کلمۂ حق کہنا افضل الجہاد ہے:

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ. (رواه الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ظالم حکمراں کے سامنے کلمۂ حق کہنا افضل الجہاد ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) کافر دشمنوں سے قتال کرنے میں اگرچہ شکست اور اپنی موت کا خطرہ بھی ہوتا ہے لیکن فتح اور کامیابی کی امید بھی ہوتی ہے۔ مگر ظالم حکمراں کے سامنے کلمۂ حق کہنے میں اپنی جان کا یا کم سے کم سزا کا خطرہ ہی ہوتا ہے، غالباً اسی وجہ سے اس کو افضل الجہاد فرمایا گیا ہے۔

عورت کو سربراہِ حکومت بنانا صحیح نہیں:

عَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ قَالَ لَمَّا بَلَغَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ اَهْلَ فَارِسَ قَدْ مَلَّكُوْا عَلَيْهِمْ بِنْتَ كِسْرٰى قَالَ لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ اِمْرَاَةً. (رواه البخاری)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچی کہ اہلِ فارس نے کسریٰ شاہ فارس کی بیٹی کو اپنا بادشاہ اور فرمانروا بنالیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ قوم فلاح یاب نہیں ہوگی جس نے ایک عورت ذات کو اپنا حکمراں اور فرمانروا بنایا ہے۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) مرد اور عورت کی خلقت اور فطرت میں جو کھلا ہوا فرق ہے وہ اس کی روشن دلیل ہے کہ عورت کی تخلیق ملک و قوم پر حکمرانی جیسے کاموں کے لئے نہیں ہوئی ہے اگر کہیں کبھی اس کے خلاف عمل میں آتا ہے تو وہ یقیناً فطرت کے خلاف ہے اور ان خلافِ فطرت کاموں میں سے ہے جو دنیا میں ہوتے رہے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

خلیفہ اپنا جانشین نامزد بھی کر سکتا ہے اور اہلِ حل و عقد کے انتخاب پر بھی چھوڑ سکتا ہے

دورِ حاضر کے مغربی نظامِ جمہوریت سے مرعوبیت کے نتیجہ میں جو کچھ لوگوں نے کہنا شروع کیا ہے کہ "اسلامی نظام" میں استخلاف (یعنی سربراہِ حکومت کی طرف سے اپنے جانشین کی نامزدگی) کی گنجائش نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ نظریہ صرف مرعوبیت کی پیداوار ہے۔ استخلاف اور نامزدگی کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا انحصار حالات اور اشخاص پر ہے اگر خلیفہ وقت (موجودہ سربراہِ حکومت) کسی شخص کے بارے میں پوری دیانتداری کے ساتھ سو فیصدی مطمئن ہے کہ اس منصب کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی اس میں زیادہ صلاحیت ہے اور عوام بھی اس کی سربراہی کو بخوشی قبول کرلیں گے تو اس صورت میں خلافت کے لئے اس کی نامزدگی نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہوگی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایسی ہی صورت حال میں خلیفہ نامزد کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرضِ وفات میں صدیق اکبر کی نامزدگی کا ارادہ فرمایا تھا لیکن پھر آپ ﷺ پر انکشاف و یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلیفہ اور جانشین صدیق اکبر ہی ہوں گے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے اور یہی مسلمانوں کا فیصلہ ہوگا تو آپ ﷺ نے ان کو باضابطہ نامزد نہیں کیا۔ اگرچہ اپنے مرضِ وفات میں اپنی جگہ انہی کو امام نماز بنا کر

اس طرف کھلا اشارہ فرمادیا۔

الغرض اگر خلیفہ برحق دین اور اُمت کے حق میں کسی اہل کی نامزدگی کو بہتر سمجھے تو اس کو اس کا حق ہے اور اس طرح وہ نامزد شخص خلیفہ برحق ہوگا۔ اور اگر خود نامزد کرنے کے بجائے اربابِ حل وعقد کی ایک مجلس کو انتخاب کا اختیار دینا مناسب سمجھے اور ایسا کرے تو یہ بھی صحیح ہوگا جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ اور اگر کسی وقت انتخاب کے دائرہ کو امت کے عام اہلِ دین وفہم کی حد تک وسیع کرنا مناسب سمجھا جائے تو ایسا کرنا بھی درست ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کے طرزِ عمل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل قابلِ لحاظ چیز مقصد ہے استخلاف اور انتخابِ امیر کا کوئی خاص طریقہ اور ضابطہ متعین نہیں ہے اور وہ دینی مقاصد اور شرعی حدود واحکام کا لحاظ رکھتے ہوئے حالات کے مطابق تجویز کیا جاسکتا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ مَرَضِهٖ اُدْعِىْ لِىْ اَبَا بَكْرٍ اَبَاكِ وَاَخَاكِ حَتّٰى اَكْتُبَ كِتَابًا فَاِنِّىْ اَخَافُ اَنْ يَّتَمَنّٰى مُتَمَنٍّ وَيَقُوْلُ قَائِلٌ اَنَا وَلَا وَيَاْبَى اللهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَا بَكْرٍ. (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرضِ وفات میں مجھ سے فرمایا کہ (اے عائشہ!) اپنے والد ابو بکر اور اپنے بھائی (عبدالرحمٰن بن ابی بکر) کو میرے پاس بلوادو تاکہ میں (خلافت کے بارے میں) تحریر لکھوادوں، مجھے اندیشہ ہے کہ (خلافت کی) تمنا رکھنے والا کوئی آدمی اس کی تمنا کرے اور کوئی کہنے والا کہے کہ میں ہوں اس کا مستحق اور وہ نہیں ہوگا مستحق اور اللہ تعالیٰ کو اور مومنین کو ابو بکر کے سوا کوئی منظور نہ ہوگا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرضِ وفات میں یہ ارادہ فرمایا تھا کہ اپنے بعد خلیفہ کی حیثیت سے ابو بکر صدیق کو نامزد فرمادیں اور "خلافت نامہ" تحریر کرا دیں اور اس کی تکمیل کے لئے حضرت ابو بکر اور ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بلوانا بھی چاہا تھا لیکن پھر آپ ﷺ کو یہ انکشاف ویقین ہوگیا کہ مشیت الٰہی میں یہی طے ہوچکا ہے اور میرے بعد اہلِ ایمان ابو بکر کے سوا کسی کو خلیفہ منتخب نہیں کریں گے تو آپ ﷺ نے اپنی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی ضرورت نہیں سمجھی اور یہی مناسب سمجھا کہ میری نامزدگی کے بغیر ہی اہلِ ایمان کے انتخاب سے وہ خلیفہ ہوں۔ چنانچہ ایسا ہوا۔ بہر حال اس حدیث سے یہ معلوم ہوگیا کہ استخلاف اور نامزدگی بھی ایک طریقہ ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ نے سوچا تھا اور

اس کا اظہار فرما دیا تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بعد کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا تو غالباً ان کے سامنے دلیل کے طور پر رسول اللہ ﷺ کا یہی ارادہ تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کے لئے خلیفہ نامزد کرنے کے بجائے مسئلہ کو ایک مجلسِ شوریٰ کے سپرد کیا تو انہوں نے حضور ﷺ کے عمل سے روشنی حاصل کی۔ الغرض اسی ایک حدیث سے معلوم ہوا کہ استخلاف، نامزدگی بھی درست ہے اور انتخاب بھی۔

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ صرف ۳۰ سال:

عَنْ سَفِينَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ يُؤْتِي اللهُ الْمُلْكَ مَنْ يَّشَاءُ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خلافۃ النبوۃ (یعنی نبوی اصول و طریق کار کی پابندی کے ساتھ نظام حکومت کی سربراہی) صرف ۳۰ سال تک رہے گی اس کے بعد اللہ جس کو چاہے گا بادشاہت دے گا۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر یہ بات منکشف کردی گئی تھی کہ آپ ﷺ کی امت میں آپ ﷺ کے بعد خلافت علی منہاج النبوۃ یعنی ممکن حد تک آپ ﷺ کے اصول اور طور طریقوں کے ساتھ نظام حکومت صرف ۳۰ سال تک چلے گا۔ اس کے بعد بادشاہی اور حکمرانی دور آجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضور ﷺ کی وفات کے ٹھیک تیسویں سال حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ آپؓ کے بعد آپؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپؓ کے جانشین اور خلیفہ ہوئے، لیکن انہوں نے چند ہی مہینے بعد مسلمانوں کی خانہ جنگی ختم کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ایک پیشین گوئی کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرلی اور ان کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوگئے۔ حضرت حسنؓ کی خلافت کے یہ چند مہینے شامل کرلئے جائیں تو پورے تیس سال ہوجاتے ہیں۔ خلافت علی منہاج النبوۃ اور خلافتِ راشدہ، جس کو اس حدیث میں "خلافۃ النبوۃ" کہا گیا ہے بس ان تیس سالوں تک رہی۔ اس کے بعد طور طریقوں میں تبدیلی کا عمل شروع ہوگیا اور شدہ شدہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی جگہ بادشاہت کا رنگ آگیا۔

آنحضرت ﷺ کی دوسری پیشین گوئیوں کی طرح یہ حدیث بھی رسول اللہ ﷺ کا معجزہ اور آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد جو کچھ ہونے والا تھا، جس کے علم کا

کوئی ظاہری ذریعہ نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے اس کی اطلاع دی اور وہی وقوع میں آیا۔ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کو اس کا علم اللہ تعالیٰ کی وحی کے ہی ذریعہ ہوا تھا۔

بادشاہوں اور حکمرانوں کو نصیحت کا صحیح طریقہ:

عَنْ عِيَاضِ بْنِ غُنْمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. مَنْ اَرَادَ اَنْ يَّنْصَحَ لِذِىْ سُلْطَانٍ بِاَمْرٍ فَلَا يُبْدِهٖ عَلَانِيَةً وَلٰكِنْ لِيَاْخُذْ بِيَدِهٖ فَيَخْلُوْ بِهٖ فَاِنْ قَبِلَ مِنْهُ فَذَاكَ وَ اِلَّا كَانَ قَدْ اَدَّى الَّذِىْ عَلَيْهِ. (رواه احمد)

حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی صاحبِ حکومت کو کسی بات کی نصیحت کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ اعلانیہ (اور دوسروں کے سامنے) نصیحت نہ کرے بلکہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تنہائی میں اپنی بات اس کے سامنے رکھے۔ پھر اگر وہ اس کو قبول کرلے اور مان لے تو فبہا (یعنی مقصد حاصل ہو گیا) اور اگر اس نے نصیحت قبول نہ کی تو اس نصیحت کرنے والے نے اپنا فرض ادا کردیا۔ (مسند احمد)

(تشریح) بے شک حکمتِ نصیحت کا تقاضا یہی ہے کہ خاص کر اہلِ حکومت اور اصحابِ وجاہت کو نصیحت ان سے تنہائی میں ملاقات کر کے کی جائے، یہ طرزِ عمل مخاطب کے دل میں یقین پیدا کرتا ہے کہ نصیحت کرنے والا مخلص اور میرا خیر خواہ ہے اور اگر اچھی بات کے قبول کرنے کی صلاحیت سے اس کا دل بالکل خالی اور محروم نہیں ہے تو قبول کرنے کی پوری امید ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف اعلانیہ اور دوسروں کے سامنے نصیحت میں وہ اپنی توہین محسوس کر سکتا ہے اور اس کا ردِ عمل بہت برا بھی ہو سکتا ہے۔ رازدارانہ خط و کتابت کے ذریعہ نصیحت کرنا بھی تنہائی کی ملاقات ہی کے حکم میں ہے۔

حکمرانوں کا ظلم و تشدد ہماری بداعمالیوں کا نتیجہ اور خدا کا عذاب ہوتا ہے لہٰذا اربابِ حکومت کو کوسنے کے بجائے خدا کی طرف رجوع ہو اور اس سے دعا کرو!

عَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ اَنَا اللهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا مَالِكُ الْمُلُوْكِ وَمَلِكُ الْمُلُوْكِ قُلُوْبُ الْمُلُوْكِ فِىْ يَدِىْ وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا اَطَاعُوْنِىْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَ مُلُوْكِهِمْ عَلَيْهِمْ بِالرَّحْمَةِ وَالرَّاْفَةِ وَاِنَّ الْعِبَادَ

وَإِذَا عَصَوْنِيْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَهُمْ بِالسَّخْطَةِ وَالنِّقْمَةِ فَسَامُوْهُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ فَلَا تُشْغِلُوْا أَنْفُسَكُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَى الْمُلُوْكِ وَلٰكِنِ اشْغِلُوْا أَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ وَالتَّضَرُّعِ كَيْ أَكْفِيَكُمْ مُلُوْكَكُمْ. (رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی معبود و مالک نہیں' میں حکمرانوں کا مالک اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں' بادشاہانِ عالم کے دل میرے ہاتھ میں ہیں (اور میرا قانون ہے کہ) جب میرے بندے میری اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں تو میں ان کے حکمرانوں کے دلوں کو رحمت و شفقت کے ساتھ ان بندوں پر متوجہ کر دیتا ہوں اور جب بندے میری نافرمانی کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں تو میں ان کے حکمرانوں کے قلوب کو خفگی اور عذاب کے ساتھ ان بندوں کی طرف موڑ دیتا ہوں پھر وہ ان کو سخت تکلیفیں پہنچاتے ہیں' پس تم اپنے کو حکمرانوں کے لئے بد دعا میں مشغول نہ کرو بلکہ اپنے کو میری یاد میں اور میری بارگاہ میں الحاح و زاری میں' تاکہ تمہارے لئے کافی ہو جاؤں حکمرانوں کے عذاب سے نجات دینے کے لئے۔

(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم)

(تشریح) اس دنیا میں جو اچھے برے حالات آتے ہیں تو ان کے کچھ تو ظاہری اسباب ہوتے ہیں جن کو دنیا کی عام سمجھ رکھنے والے سمجھ لیتے ہیں اور کچھ غیبی اور باطنی اسباب ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خود خداوند تعالیٰ کی طرف سے بیان فرمایا ہے کہ بندوں پر دنیا میں جو اچھے برے حالات ان کے حکمرانوں کی طرف سے آتے ہیں وہ دراصل ان کے اعمال کے نتائج ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے' میں بادشاہوں کا بادشاہ اور سب حاکموں کا حاکم ہوں۔ سب حکمرانوں کے قلوب میرے قبضہ میں ہیں اور میرا یہ قانون و دستور ہے کہ جب بندوں کی عام زندگی اطاعت و فرمانبرداری کی ہوتی ہے تو میں ان کے حاکموں کے قلوب میں ان کے لئے رحمت و شفقت ڈال دیتا ہوں تو ان کا برتاؤ رحمت و شفقت کا ہوتا ہے اور اگر ان کی زندگی نافرمانی و بد کرداری کی ہوتی ہے اور معصیت کا غلبہ ہوتا ہے تو میں ان کے حکاموں کے قلوب میں ان کے لئے غصہ اور تکلیفیں دینے کا جذبہ ڈال دیتا ہوں پھر وہ ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے ہیں اور ستاتے ہیں' تو دراصل یہ میرا عذاب ہوتا ہے' تمہارے حکام صرف آلۂ کار ہوتے ہیں۔ آخر میں فرمایا گیا ہے کہ جب حاکموں سے تم کو تکلیفیں پہنچیں تو ان کے لئے بد دعائیں نہ کرو' ان کو شہ کو سوء اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ مجھے یاد کرو معصیتوں کی زندگی سے توبہ کر کے میری فرمانبرداری والی

زندگی اختیار کرو، آہ وزاری کے ساتھ میری طرف رجوع ہو اس طرح تم حاکموں کے مظالم سے نجات پاسکو گے۔

جب نادر شاہ نے دلی کو تاراج کیا اور دلی والوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے تو اس وقت کے عارف حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے فرمایا تھا۔

"شامتِ اعمالِ ماصورتِ نادر گرفت"